اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَة

دین خیرخواہی کا نام ہے

تبلیغی جماعت سے وابستہ متعلقین واحباب سے ایک نصیحت آموز گفتگو

تالیف

مولانا زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

اسلامی لائبریری

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ

‘‘دین خیرخواہی کا نام ہے’’

(تبلیغی جماعت سے وابستہ متعلقین واحباب سے ایک نصیحت آموز گفتگو)

تالیف

مولانا زبیراحمد صدیقی

کتاب کا نام . اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ ’’دین خیرخواہی کا نام ہے‘‘
مؤلف . مولانا زبیراحمد صدیقی
طبع اول . شوال۱۴۳۲ھ-ستمبر ۲۰۱۱ء
طبع دوم . ذوالحجہ۱۴۳۲ھ- نومبر ۲۰۱۱ء
تعداد . طبع اول تا دوم. ۲۵۰۰
ناشر . ادارہ تحسین الاسلام،لاہور
انٹرنیٹ ایڈیشن . مسلم ورلڈ ڈیٹاپروسیسنگ پاکستان
ویب سائٹ . http://muwahideen.co.nr
ای میل . help@tawhed.webege.com

انتساب

زمانے کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ''اصلاح ''کرنے والے ان پرعزم ہستیوں کے نام جوکہ اس حدیث کے مصداق دنیامیں بپا ہونے والے ''فسادِ عظیم ''کے سامنے بندباندھے کھڑے ہیں کہ

((بدأ الاسلام غریباً وسیعود غریباً کما بدأ فطوبی للغرباء قالوا یارسول اللّٰہ ومن الغرباء قال الذین یصلحون ثم فساد الناس))۔

'' اسلام کی ابتداء اجنبیت کی حالت میں ہوئی تھی اور ایک بار پھر اسلام اُسی اجنبیت کی حالت میں چلاجائے گا ،سو مبارک باد ہے اجنبی ہوجانے والوں کے لئے۔ پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ اجنبی کون ہیں؟آپ ﷺنے جواب دیا کہ وہ لوگ جو لوگوں کے فساد میں مبتلا ہونے کے وقت ان کی'' اصلاح'' کریں گے''۔

(مجمع الزوائد:ج۷ص۔۲۷۸، المعجم الاوسط :ج ۹ص۱۲رقم الحدیث:۸۹۷۷، المعجم الکبیر:ج۶ص۔۱۶۴رقم الحدیث:۵۸۶۷)

فہرست مضامین

پہلی اصطلاح:کلمہ کی دعوت

دوسری اصطلاح:’’نبیوں اوررسولوں والا کام ‘‘

تیسری اصطلاح ’’اللہ کے راستے کی محنت ‘‘

چوتھی اصطلاح ''نبی کا طریقہ''

●

پہلی بات

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ.........دین خیرخواہی کا نام ہے

((فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَا ئِبَ))[1]
’’پس چاہیے کہ پہنچائیں جو موجود ہیں ان تک جو موجود نہیں ہیں‘‘

عصر حاضر میں اس حدیث کو اصول بناکر بے شمار لو گ ’’فضائل کے ذریعے دین کا پیاسا بنانا ‘‘کی بنیاد پر لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنے کی کوشش کررہے ہیں جنہیں عرف عام میں ’’تبلیغی جماعت‘‘کہاجاتا ہے۔ اور ان کی دعوت کے بنیادی اصطلاحات میں’’کلمے کی دعوت‘‘............’’انبیاء والا کام ‘‘............’’اللہ کے راستے کی محنت‘‘............’’نبی کا طریقہ‘‘............ وغیرہ جیسی شرعی اصطلاحات شامل ہیں۔ چناچہ واقعۃً یہ ہے کہ اس جماعت کے پرخلوص متعلقین و احباب کی یہ مساعی اگر چہ اس لحاظ سے قابلِ تحسین ہے کہ بے شمار لو گ جو کہ صرف نا م کے مسلمان تھے اور انہیں کلمے تک پڑھنا نہیں آتا تھا،ان کی انتھک محنت کی وجہ سے کم از کم کلمے پڑھنے اور نماز ادا کر نے کے قابل ہو گئے ہیں ۔امید ہے کہ اللہ تعا لیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائے گا اور انہیں اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے گا ۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ جن ’’شرعی اصطلاحات ‘‘کی بنیاد پریہ دعوت ِدین کا کام چل رہا ہے، کیا واقعی وہ ’’دعوت وتبلیغ‘‘ان’’شرعی اصطلاحات‘‘کے عین مطابق ہے،جس کی شرح سنت نبوی ﷺوخلفائے راشدین المہدین و دیگر صحابہ کرام اور سلف و صالحین نے کی ہے؟چنانچہ اس حوالے سے ہم ان ’’شرعی اصطلاحات ‘‘ کو قرآن و سنت ،آثار صحابہ کرام اور سلف و صالحین کے اقوال کی روشنی میں سمجھنے کے ساتھ ساتھ،باارشاد نبوی ﷺکہ ’’مومن مومن کا آئینہ ہوتا ہے‘‘کے مصداق’’دعوت و تبلیغ‘‘کے نام پر چلنے والی تبلیغی جماعت کی موجودہ دعوت و مساعی

---
[1] بخاری، مسلم

کا بھی جائزہ لیں گے۔تاکہ واقعتا اگر اس جماعت کی موجودہ کوشش ’’کلمہ کی دعوت‘‘............’’انبیاء والا کام ‘‘............’’اللہ کے راستہ کی محنت‘‘............’’نبی کا طریقہ‘‘............وغیرہ جیسے شرعی اصطلاحات کے عین مطابق ہیں ،تو پھر امت مسلمہ کو بھی اس جماعت کی طرف متوجہ کیا جائے اور اس کے لئے تن، من،دھن لگانے کی ترغیب دی جائے............اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی اس جماعت کی دعوت،طریقہ ،منہج اور فکر ان ’’شرعی اصطلاحات‘‘کے برخلاف ہیں تواوّلاً اس کی نشاندہی اس جماعت کے احباب و متعلقین کے سامنے ((الدین النصیحة))[1]’’دین خیرخواہی کا نام ہے‘‘کی بنیادپر کردی جائے تاکہ اگر وہ اس کی اصلاح کی استطاعت رکھتے ہوں تو یہ کام بلا کسی خوف و خطر وملامت کے انجام دیں ،ورنہ بصورت ِدیگر اس سے لاتعلقی ہی اُن کے اور اس امت کے حق میں بہترثابت ہوگی ،اور دوم یہ کہ عامہ المسلمین کے سامنے بھی وہ بنیادی اصول وضوابط آسکیں جس پر وہ کسی بھی ایسی گروہ کو پرکھ سکیں جو ان ’’شرعی اصطلاحات ‘‘کی بنیاد پر دین کی دعوت و اقامت کا بیڑہ اٹھانے کا دعویٰ کرے ۔

’’ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَااجْتِنَابَہٗ‘‘

’’ اے اللہ ! جو حق ہے اسے ہمیں حق کرکے دکھا اور اس کی اتبا ع کرنے کی توفیق نصیب فرما اور جو باطل ہے اسے ہمیں باطل کرکے دکھا اور اس سے ہمیں بچنے کی توفیق عطا فرما ‘‘۔آمین

---

[1] صحیح مسلم۔

نوٹ:

اس گفتگو کا دوران کوشش یہ کی گئی ہے کہ کلام صرف اُن بنیادی امور پر کیا جائے جوکہ جزئی یا فروعی نوعیت کے نہ ہوں بلکہ جن کا تعلق مسلمانوں کے اسلامی عقائد و اعمال سے ہواور دوسری بات یہ کہ قارئین کوبعض جگہ محسوس ہوگاکہ انتہائی سخت اور شدید الفاظ استعما ل کئے گئے ہیں ، بات یہ ہے کہ جب معالات دین اسلام کے اہم امور سے متعلق ہوں اور ان پر کسی بھی قسم کی لچک یا ڈھیل آدمی کے اسلام اور ایمان کو ہی خطرہ میں ڈال سکتی ہوتو پھر بعض اوقات سخت اور کرخت زبان میں بات کرنی پڑجاتی ہے،اورسول اللہ ﷺکی سنت بھی یہی تھی کہ جب معاملہ دینی حمیت و غیرت کا ہوتا یا پھر اللہ کی حدود کو توڑا جارہا ہوتا یا ان کا مذا ق اڑایا جارہا ہوتاتو آپﷺکی آنکھیں سرخ ہوجاتیں ،آپ ﷺکا چہرہ متغیر ہوجاتا، آپ ﷺکی جسم کی رگیں پھول جاتی تھیں ۔باقی اگر کہیں ہم سے زیادتی یا کوتاہی ہوگئی ہوتو اس کے ہم اللہ سے معافی کے خواستگار ہیں کیونکہ ہمارامقصد اختلاف برائے اختلاف نہیں بلکہ برائے’’اصلاح‘‘ ہے۔

پہلی اصطلاح
’’کلمہ کی دعوت‘‘

’’کلمہ کی دعوت ‘‘اکابرین تبلیغی جماعت کی نظر میں:

تبلیغی جماعت کے اکابرین و اراکین بڑے شدو مد سے یہ بات بیان کرتے ہیں کہ:

’’ہماری دعوت ’’کلمہ کی دعوت ‘‘ہے۔ہم تو صرف لوگوں کا کلمہ درست کرانے اور مسلمانوں میں کلمے والا یقین پیدا کرنے کے لئے نکلے ہیں ‘‘۔

پھر اس کلمہ کا مطلب یوں بیان کیا جاتا ہے کہ

’’سب کچھ اللہ سے ہونے کا یقین اور غیر اللہ سے کچھ نہ ہونے کا یقین ‘‘

’’فضائل اعمال ‘‘کے مؤلف مولانا زکریاصاحب مرحوم فرماتے ہیں :

’’نبوت کے بعد سب سے پہلا کام جس پر ہر کلمہ گو کواٹھایا وہ ’’کلمہ کی دعوت‘‘ہے،جبکہ پنج وقتہ نماز بھی فرض نہ تھی ،لیکن کلمہ والی دعوت شروع سے آخر تک چلتی رہی ، آج بھی ہر شخص پر محنت کرنی ہے کہ وہ داعی بنے‘‘۔[1]

---

[1] ’’تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات ‘‘از مولانا زکریا ص:۱۷۸،یحیوی کتب خانہ ،سہارنپور

اکابر تبلیغی جماعت مولانا جمشید رائے ونڈ والے اس ضمن میں کہتے ہیں:

تو ’’غیر اللہ سے ہونے کا یقین‘‘دل سے نکالواور ’’اللہ ہی سے ہونے کا یقین ‘‘دل میں ڈالواور اس کا راستہ ہے’’ دعوت‘‘۔[1]

اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمد صاحب بہاولپور والے کہتے ہیں:

’’یہ تو ہم مسلمان ہیں ، مسلمان ملک میں پیدا ہوئے تو مسلمان ہیں، مسلمان گھرانے میں پیدا ہوگئے تو مسلمان ہیں ،گائے کا گوشت کھانے لگے تو مسلمان ہیں ،نماز پڑھ لی تو مسلمان ہیں ۔ وہاں تو راستہ ہی ایک تھا ،جو آتا تھا وہ ’’دعوت‘‘کے راستے سے آتا تھا اور دعوت کے راستے سے آنے کے بعد اس کے پاس کوئی کام نہیں تھا،دس سال تک کوئی عبادت نہیں تھی(مکے میں)سوائے ’’دعوت الی اللہ ‘‘کے ۔[2]

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

’’یہ محنت (مکے میں)دس سال تک کرائی ہے اس میں عبادت آپ نہیں دیکھیں گے ،ہمارا اور صحابہ کا فرق یہی ہے کہ انہوں نے دس سال تک کوئی چیز دیکھی نہیں،سوائے ’’دعوت‘‘کے ،اس لئے ان کو کوئی اشکال نہیں ہوا۔ہمارا قصہ کیا ہے ؟مسلمان کے گھر میں پیدا ہوگئے تو مسلمان،نماز پڑھ لی تو مسلمان،گائے کا گوشت کھالیا تو مسلمان،ہمارے مسلمان ہونے کی کئی شکلیں ہیں ،وہاں

[1] کراچی اجتماع ،۲۸جولائی ۲۰۰۷،بحوالہ علمی کیسٹ گھر ،کراچی ۔

[2] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۸ء ،بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔

مسلمان شمار نہیں ہوتا تھا جب تک کہ وہ ’’صاحبِ دعوت‘‘نہ ہو‘‘۔[1]

’’کلمہ کی دعوت‘‘کا شرعی مفہوم کیا ہے؟

چنانچہ ہم ’’کلمہ کی دعوت ‘‘...........’’کلمہ درست کرانے‘‘...........’’کلمہ والا یقین‘‘...........کے ضمن میں سمجھیں گے کہ :

- ❍ کلمہ کی دعوت کا شرعی مفہوم کیاہے...........؟
- ❍ کلمہ درست کرانے کا شرعی مطلب کیا ہے...........؟
- ❍ اور کلمہ والا یقین کے شرعی معانی کیا ہیں...........؟
- ❍ ’’صاحبِ دعوت‘‘ہونے کا شرعی مفہوم کیا ہے...........؟

سورہ الانعام کی آیت نمبر ۱۹ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَہَادۃً کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے :

’’قال جاء النحام بی زید، و قردم بن کعب، و بحری بن عمرا، فقالو:یامحمد!ما تعلم مع اللّٰہ الھاً غیرہ؟ فقال رسول اللّٰہ ،لاالہ الا اللّٰہ بذلک

---

[1] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۸ء بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی

بِعثت،والی ذلک ادعوا،فانزل اللّٰہ فی قولهم قُــلْ اَیُّ شَیْئٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً‘‘[1]

’’رســول اللہ ﷺکی خــدمت میں تین کــافر حاضــر ہوئے اور پوچھـــا کہ اے محمـــد!تم ا للہ کے ســـوا کسـی دوسـرے کـو معبـود نہیں جـانتے ؟(تـوان کے جــواب میں آپ ﷺنے فرمایــا) لا الٰہ الا اللّٰہ ’’نہیں ہے کــوئی معبــود ســوائے اللہ کے ‘‘(اور جــان لــو کہ)میں اسی کلمے کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں اور اسی کلمے کی طرف لوگوں کـو دعـوت دینے والا ہوں۔پس اسی بـارے میں یہ آیت نـازل ہوئی ’’اے نبی!ان سے پوچھئے کہ کس کی گواہی سـب سـے بڑھ کر ہے ؟‘‘۔

اسی طرح نبی کریمﷺکے اوصاف حمیدہ سے متعلـق ســورہ الاحــزاب کی آیت نمــبر۴۶ وَّدَاعِیًــا اِلَی اللّٰہِ کی تفسیرحضـرت عبـد اللہ بن عبـاسؓاور حضـرت قتـادہؓ یوں فرماتے ہیں :

’’وداعیاً الی شهادة لا الہ الا اللّٰہ‘‘[2]

’’یعنی آپ ﷺاس بات کی طـرف دعـوت دینے والے تھے کہ گــواہی دو اس بــا ت کی کہ اللہ کے ســوا کوئی معبود نہیں ‘‘

رسول اللہ ﷺنےحضرت معاذ بن جبـل کودعـوت دینے کا طریقہ سکھایا جبکہ آپﷺان کو یمن کی طر ف روانہ کررہے تھے: ((فَادْعُهُمْ الی شهادة أن لا الہ الا اللّٰہ))[3]

---

[1] الدرر المنثور،باب:۱۹،ج:۴،ص:۳۹۔
[2] الدر المنثور،باب:۴۵،ج:۸،ص:۱۷۷۔
[3] صحیح مسلم،ج:۱،ص:۱۱۱،رقم الحدیث:۲۷۔

’’سب سے پہلے ان کو’’ لاالٰہ الااللہ‘‘کی طرف دعوت دو‘‘ ۔

پس ثابت ہواکہ شریعت اسلامی میں ’’کلمہ کی دعوت‘‘ایک اہم دینی و شرعی اصطلاح ہے ،جس کا سمجھنا ہر مسلمان کے اوپر لازم ہے۔چناچہ’’کلمہ کی دعوت ‘‘کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں یہ جاناجائے کہ کلمہ طیبہ سے کیا مراد ہے ....؟

کلمہ طیبہ سے مراد؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾[1]

’’پس علم حاصل کرو اس بات کا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں‘‘۔

رسول اللہ ﷺنے ارشاد فرمایا:

((من مات وھو یعلم انہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ))[2]

’’جو مرجائے اور وہ’’لاالٰہ الااللہ‘‘ کا علم رکھتا ہوتو وہ جنت میں داخل ہوگا ۔‘‘

امام نووی نے صحیح مسلم میں اس کے لیے باب باندھا ہے :

’’من مات علی التوحید دخل الجنۃ‘‘

---

[1] محمد/القتال:۱۹۔

[2] صحیح مسلم،ج:۱،ص:۵۵،رقم الحدیث:۲۶۔صحیح ابن حبان،ج:۱،ص:۴۳۰،رقم الحدیث:۲۰۱۔

’’جس کو توحید پرموت آئی ووجنت میں داخل وگا‘‘

معلوم ی وا ک’’کلم طیب‘‘کا مطلوب ومقصود توحید ، صرف زبان س اس کی ادائیگی نیں چنانچ کلم پورا نیں وتا جب تک اس ک حقوق کو تسلیم ن کرلیا جائ اور اس ک منافی امور س اجتناب ن کیا جائچنانچ ذیل میں م و احادیث مبارک نقل کردیت یں جن س ی بات واضح وجائ گی ک زبان س صرف کلم کی ادائیگی نجات کا باعث نیں بلک ی اس ک حقوق کی ادائیگی اور ایس امور س اجتناب س مشروط جن کی بناء پر ایک مسلمان کا کلم ٹوٹ جاتا اور و اسلام کی سرحد س نکل کرکفر و نفاق کی صف میں جاکھڑا وتا رسول الل ن ارشاد فرمایا:

((مفاتیح الجنة شهادة أن لا ال الا اللّٰ))[1]

’’جنت کی کنجیاں لا ال الاالل کی گوای دینا ‘‘

امام بخاری ن وب بن منبس روایت کیا :

”وقیل لوهب من منب ألیس لا ال الا اللّٰ مفتاح الجنة،قال بلی ولکن لیس مفتاح الا ل اسنانفان جئت بمفتاح ل أسنان فتح لک والا لم یفتح لک[2]“

’’وب بن منبس پوچھا گیا ک کیاجنت کی کنجی’’لاالٰ الا‘‘نیں ؟فرمایا:کیوں نیں! لیکن رچابی ک دانت وت یں اگرتم ایسی چابی لاؤں گ جس ک دندان وں(یعنی تمار کلم ک

[1] مجمع الزوائد،ج:۱۰،ص:۲۸رجال وثقواالا ان شهرا لم یسمع من معاذ
[2] صحیح البخاری،ج:۴،ص:۴۵۶

موافق عمل بھی ہوگا)، توتمہارے لئے(جنت)کھول دی جائے گی ورنہ نہیں‘‘۔

’’الٰہ ‘‘ کا مفہوم:

کلمہ طیبہ کے ضمن ایک شرعی اصطلاح ’’الٰہ‘‘کو سمجھنا بھی انتہائی ضروری ہے تاکہ یہ بات واضح ہوسکے کہ ’’اللہ کے علاوہ کسی اور کو معبود نہ ماننے ‘‘کا مطلب کیا ہے؟

عام فہم انداز میں یوں سمجھئے کہ ’’الٰہ ‘‘اس ہستی کو کہتے ہیں جس کی عبادت کی جاتی ہوں ،یعنی اس کے آگے سر بسجود ہواجا تا ہواور اس کے لئے کچھ خاص مراسم عبودیت ادا کئے جاتے ہوں ۔ جیسے ایک مسلمان اللہ کے آگے نماز میں سربسجود ہوتا ہے ۔

لیکن اللہ کے رسول ﷺنے کسی کے لئے مراسم عبودیت کی ادائیگی کے علاوہ اس کے بنائے ہوئے قوانین کو تسلیم کرنے کو بھی اس کی ’’عبادت‘‘کرنے اور اسی کو ’’الٰہ‘‘ماننے کے مترادف قرار دیا ہے۔چناچہ حضرت عدی بن حاتمؓاپنے ایمان لانے سے قبل کا واقعہ سناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں اس حال میں نبی کریم ﷺکے پاس آیا کہ میرے گلے میں صلیب پڑی ہوئی تھی تواس موقع پر جب آپ ﷺسے سورہ التوبہ کی آیت۳۱ ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾’’یہود و نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اورفقہاء کو رب بنالیا تھا ‘‘سنی تو عرض کیا :

”انهم لم يعبدوهم۔فقال بلى،انهم احلوا لهم الحرام وحرموا عليهم الحلال،فاتبعوهم ،فذلک عبادتهم اياهم‘‘[1]

[1] تفسیر ابن کثیر،باب۷۸،ج:۲،ص:۶۶۔

’’یہود و نصاریٰ نے تو کبھی اپنے علماءکی عبادت نہیں کی !تو آپﷺنے فرمایا :کیوں نہیں ،انہوں نے کسی حرام کو حلال کیا اور کسی حلال کو حرام کیا توانہوں نے اس عمل کی پیروی نہیں کی ،پس یہی عمل ان کی عبادت کرنا ہے‘‘۔

یہ واقعہ دیگر احادیث صحیحہ میں مختلف الفاظ کے ساتھ بھی وار ہوا ہے۔

حضرت حذیفہ ؓ سورہ التوبہ کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

’’قال:اماانهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنهم أطاعوهم فی معصیة اللّٰہ‘‘

’’یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی ،لیکن نافرمانیوں میں ان کی اطاعت کی (یہی تو عبادت کرنا ہے)‘‘۔[1]

چنانچہ یہ بات واضح ہوئی انسان جس کے بنائے ہوئے قوانین کو تسلیم کرتا ہے دراصل اسی کو اپنا معبود تسلیم کرتے ہوئے اسی کی پرستش اور عبادت کرتا ہے۔

اللہ کی وحدانیت کا اقرار، طاغوت کے کفرکے بغیر مقبول نہیں:

یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ کلمہ کا پہلا حصہ یعنی’’لاالٰہ الا اللہ‘‘دو چیزوں پر مشتمل ہے اوّل نفی اوردوم اثبات ،نفی ’’لاالٰہ‘‘ہے اور اس سے مراد’’ کفر بالطاغوت‘‘اوراثبات ’’الااللہ‘‘یعنی ایک اللہ کی عبادت ہے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس ؓکی تفسیر کے

[1] أخرج ابوالشیخ والبهیقی فی شعب الایمان کذا فی الدرالمنثور،باب:۱۳،ج:۵،ص:۵۴۔

مطابق اللہ تعالیٰ نے ’’کلمۂ طیبہ ‘‘کی وضاحت خود اس طرح کی ہے :

﴿فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْ بِاِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی﴾[1]

’’جس نے طاغوت کاانکار کیا اور اللہ پرایمان لایا تو اس نے مضبوط کڑا تھام لیا۔‘‘

اور امام ابن قیمؒ نے اس آیت کی تشریح یوں کی ہے کہ

’’وھذاھو معنیٰ لاالٰہ الااللّٰہ‘‘ [2]

’’اور یہی معنی ہے لا الٰہ الا اللہ کا‘‘۔

پس معلوم ہوا کہ اُس وقت تک اللہ کی وحدانیت کا اعلان بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں جب تک اس سے پہلے ’’طاغوت ‘‘کاکفر و انکار نہ کیا جائے ۔لٰذا خود بخود سوال پیدا ہوتا ہے کہ ’’طاغوت‘‘سے کیا مراد ہے............؟

طاغوت سے مراد؟

امام ابن القیم ؒنے فرمایا:

’’طاغوت ہر اس معبود، یا پیشوا، یا واجب اطاعت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے بندے اپنی حد سے تجاوز کرجائے ہیں لٰذا ہر قوم کا ’’طاغوت‘‘ وہ ہوا جس کے پاس وہ اللہ اور اس کے رسول کے سوا فیصلے کے لیے جاتے ہیں، یا اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہیں، یا اللہ کی جانب سے

[1] البقرۃ:۲۵۶۔
[2] الاصول الثلا ثۃ:ص۵۵۔

بلا بصیرت اس کی اتباع کرتے ہیں، یا اس کی ہر اس بات میں اطاعت کرتے ہیں جس کے متعلق وہ نہیں جانتے کہ وہ اللہ کی اطاعت ہے‘‘۔[1]

اما م ابن قیم ؒمزید فرماتے ہیں:

’’والطواغیت کثیرون،ورؤسھم خمسة:ابلیس لعنہ اللّٰہ،ومن عبد وھو راض،ومن دعاالناس الی عبادة نفسہ ،ومن ادعی شیئاً من علم الغیب،ومن حکم بغیر ما انزل اللّٰہ‘‘

’’طاغوت تو بے شمار ہیں مگر ان کے چوٹی کے سردار پانچ ہیں:

❶ ابلیس لعین

❷ ایسا شخص جس کی عبادت کی جائے اور وہ اس فعل پر رضامند ہو۔

❸ جو شخص لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت دیتا ہواگرچہ اس کی عبادت نہ بھی ہوتی ہو۔

❹ جو شخص علم غیب جاننے کا دعویٰ کرتا ہو۔

❺ جو شخص اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے خلاف فیصلے کرے ‘‘۔[2]

لہٰذا اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ طاغوت وہ ہے جوکہ اللہ کے نازل کردہ قوانین کو چھوڑ کراپنے قوانین کو تسلیم کروائے اور ظاہر ہے جس کے قوانین کو تسلیم کیا جاتا ہے دراصل اس کی ’’عباد ت ‘‘اور اس کو ہی ’’الٰہ ‘‘تسلیم کیا جاتا ہے۔ لہٰذ اکلمہ اس وقت تک ’’درست‘‘اور مکمل نہیں جب تک کہ اللہ

[1] اعلام الموقعین عن رب العالمین : ۱/۵۰۔
[2] الاصول الثلاثة وادلتھا:ص۵۱۔

وحدہ لاشریک کی واحدانیت کے اظہار سے پہلے طواغیت کا کفر نہ کرلیا جائے ۔اسی بات کو بالکل واضح الفاظ میں رسول اللہ ﷺنے یوں ارشاد فرمایا:

((ثم من قال لاالہ الا اللّٰہ وکفر بما یعبد من دون اللّٰہ حرم مالہ ودمہ وحسابہ علی اللّٰہ))[1]

’’جس نے کہا ’’لا الٰہ الا اللہ‘‘اور(یہ کہنے کے بعد)اللہ کی سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے اُن کا (عملاً)کفر کیا تو اس نے اپنا مال و جان محفوظ کرلیا اورباقی اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے‘‘۔

انبیاء ورسل کی کلمہ والی دعوت :

پس حضرت آدم ؑسے لے کر رسول اللہ ﷺتک تمام رسول اور انبیاکرام نے کلمہ طیبہ کے مذکورہ بالا ’’شرعی مفہوم‘‘یعنی طاغوت کا کفر اور اللہ پر ایمان کے ساتھ’’کلمہ کی دعوت ‘‘پوری انسانیت کے سامنے پیش کی،جس کی شہادت قرآن نے یوں دی:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾[2]

’’اورتحقیق ہم نے ہر امت میں رسول مبعوث کئے (جن کی دعوت یہ تھی کہ)اللہ کی عبادت کرواور طاغوت (کی عبادت)سے بچو‘‘۔

باالفاظ قرآنی ہر رسول نے سب سے پہلے اپنی قوم کے سامنے ان الفاظ میں دعوت دی:

---

[1] صحیح مسلم،ج:۱،ص:۵۳،رقم الحدیث:۲۳۔
[2] النحل:۳۶۔

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ[1]

’’اے میری قوم!اللہ کی عبادت کرواور اس کی عبادت میں تم کسی اور کو شریک نہ بناؤ‘‘۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ[2]

’’اور(اے نبی ﷺ)آپ سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو‘‘۔

تمام انبیاء ورسل کی ’’کلمہ والی دعوت ‘‘دراصل دین حق کے بالفعل نفاذ کے لئے ہوتی تھی۔ سورہ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۳جس میں حضرت نوح ،حضرت ابراہیم ،حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ ؑاور نبی کریم ﷺکا فرض منصبی ’’دین کی اقامت‘‘قرار دیا گیا ،وہی اگلی آیات میں اسی فرض منصبی کی تکمیل کے لئے دعوت دینے کا حکم دیا گیا ۔

فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ[3]

’’پس آپ اسی (اقامت دین کے فرض منصبی)کی طر ف دعوت دیتے رہیے اور ثابت قدم رہیے اس چیز پر جس کا آپ کو حکم دیا گیا اور دیکھئے ان کی خواہشات (پر مبنی راستوں)کی اتباع نہ کیجئے گا‘‘۔

صحابہ کرام ؓکی کلمہ والی دعوت:

1 الاعراف:۴۵۔
2 الانبیآء:۲۵۔
3 الشوریٰ:۱۵۔

تبلیغی جماعت کے اکابرین یہ بات بڑی زور دے کر کہتے ہیں کہ :

’’خطبۂ حجۃ الوداع کے بعد صحابۂ کرام ؓ’’کلمے والی دعوت‘‘ کو لے کر پوری دنیا میں پھیل گئے ۔‘‘

اورپھر ’’فضائل‘‘کی بنیاد پرمذکورہ جماعت سے وابستہ حضرات پوری دنیا میں اپنی مساعی اور جدوجہد کو وسیع کرنے کی ہمہ تن کوشش کرتے ہیں اور اس کام کی نسبت صحابہ کرام ؓکی طرف کرتے ہیں ۔چنانچہ ہم اس ضمن میں یہ بات کھولنے کی کوشش کریں گے کہ جس بنیاد پر صحابہ کرام کا نکلنا ثابت کیا جارہا ہے اس کی حقیقت کیا ہے...........؟

چنانچہ صحابہ کرام ؓرسول اللہ ؐکے حکم کی تعمیل میں صرف’’فضائل ‘‘کی بنیاد پرتبلیغی وفود کی شکل میں نہیں بلکہ جہادی لشکروں کی صورت میں’’کلمے والی دعوت‘‘ کواپنے ’’شرعی مفہوم ‘‘کے ساتھ ہاتھ میں ’’تلوار‘‘لئے پوری دنیا میں پھیل گئے جوکہ تین بنیادی مطالبات پر موقوف تھی :

(۱) اسلام قبول کرلو...........(بشارت)

(۲) جزیہ دو ....(انذار)

(۳) نہیں تو جنگ کے لئے تیار ہوجاؤ...........(قتال)

اور دعوت کا یہ طریقہ صحابہ کرام ؓنے از خود وضع نہیں کیا تھا بلکہ یہ رسول اللہ ؐکا سکھلایا ہوا طریقہ تھا۔ رسول اللہ ؐنے جب اہل نجران کے عیسائیوں کو دعوتی خط لکھا تو اس کے الفاظ یہ تھے:

((امابعد،فانی ادعوکم الی عبادة اللّٰہ من عبادة العباد،وأدعوکم الی ولایة اللّٰہ من ولایة العباد،فان أبیتم فالجزیة،فان أبیتم آذنتکم بحرب والسلام))[1]

’’امابعد!میں تمہیں دعوت دیتا ہوں بندوں کی غلامی سے اللہ کی غلامی کی طرف ،اور میں تمہیں دعوت دیتا ہوں بندوں کی حکمرانی سے اللہ کی حکمرانی کی طرف ۔پس اگر تم نہ مانو تو تمہارے لئے جزیہ مقرر ہے اور اگر یہ بھی قبول نہیں تو جنگ کے لئے تیار ہوجاؤ ،والسلام‘‘۔

’’کلمہ کی دعوت ‘‘حالت مغلوبیت میں:

اس پر کسی کو اعتراض ہوسکتاہے کہ اللہ کے رسول ﷺنے دعوت کا یہ انداز صرف مدنی دور میں اپنایا تھا جبکہ آپ کو غلبہ و تمکن حاصل ہوگیا تھا ۔اوّل یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی بھی مسئلہ کے حل کے بارے میں یہ دیکھنا کہ مکی یا مدنی دور میں کیا ہوا تھا یہ شرعی اصول نہیں۔دین اسلا م کی تکمیل کے بعد اصل ضابطہ و اصول یہ قرار پایا کہ کسی بھی مسئلہ کے بارے میں مکی یا مدنی کی تخصیص کے بغیر مطلق یہ دیکھا جائے کہ سلف وصالحین نے اس مسئلہ کے بارے ’’شرعی حکم ‘‘کیا بیان کیا ہے۔

دوم یہ کہ رسول اللہ ﷺکا یہ’’طریقۂ دعوت‘‘صرف مدنی دور تک محدود نہیں تھا ۔احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ہجرتِ مدینہ سے قبل سردارانِ قریش حرم میں حطیم پر جتھا لگاکر بیٹھے ہوئے تھے اور اس بات پر برہمی کااظہار کررہے تھے کہ:

---

[1] زاد المعاد،ج:۳،ص:۵۴۹۔البدایة والنهایة،ج:۵،ص:۶۵۔

’’مارأینا مثل ما صبرنا علیہ من ھذا الرجل قط سفہ احلامنا وشتم آبائنا وعاب دیننا وفرق جماعتنا وسب آلھتنا لقد صبرنا منہ علی امر عظیم‘‘[1]

’’ہم نے جیسا صبر اس آدمی (یعنی محمد)پر کیا ہے کسی اور پر کبھی نہیں کیا ،اس نے ہمارے عقلمندوں کو بیوقوف کہا، ہمارے آباؤاجداد کو برابھلا کہا ،ہمارے دین میں عیوب نکالے، ہماری جماعت کو منتشر کیا اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا،ہم نے اس کے معاملے پر اب بہت صبر کرلیا ‘‘۔

راوی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؓ کہتے ہیں اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ،حجرا اسود کا استلام کیا اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے تو وہ نبی کریم ﷺ کی باتوں میں عیب نکالنے لگے اور تین چکروں تک یہی ہوا بالآخر نبی کریم ﷺ قریش مکہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دھمکی آمیز لہجے میں یوں گویا ہوئے جبکہ آپ حالتِ مغلوبیت میں تھے :

((یا معشر قریش!أم والذی نفس محمد بیدہ!لقد جئتکم بالذبح))[2]

’’اے قریش مکہ !اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے بے شک میں تمہیں ذبح کرنے کے لئے آیا ہوں‘‘۔

ایک اور جگہ الفاظ یوں ملتے ہیں:

[1] مسند احمد،ج:۱۴،ص:۲۲۷،رقم الحدیث:۶۷۳۹،مجمع الزوائد،ج:۶،ص:۱۵۔

[2] مسند احمد،ج:۱۴،ص:۲۲۷،رقم الحدیث:۶۷۳۹،مجمع الزوائد،ج:۶،ص:۱۵۔

((یا معشر قریش! أم والذی نفس محمد بیدہ! ما أرسلت الیکم الابالذبح،واشار بیدہ الی حلقہ))[1]

’’اے قریش مکہ!اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے،میں نہیں بھیجا گیا تمہاری طرف مگر یہ کہ تمہیں ذبح کرنے کے لئے اور پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے گردن کی طرف اشارہ کیا ‘‘۔

پس صحابہ کرام نے اسی طریقۂ دعوت کو اختیار کیا ۔ حضرت خالد بن ولیدؓنے اہل فارس کے سامنے ان الفاظ میں ’’کلمہ والی دعوت ‘‘رکھی :

’’ادعوکم الی اللّٰہ والی الاسلام فان أجبتم الیہ فأنتم من المسلمین لکم مالھم وعلیکم ماعلیھم،فان أبیتم فالجزیۃ فان أبیتم فقد أتیتکم بأقوام أحرص علی الموت منکم علی الحیاۃ،جاھدناکم حتی یحکم اللّٰہ بیننا وبینکم‘‘[2]

’’ہم تمہیں اللہ کی طرف اور اسلا م کی طرف دعوت دیتے ہیں ،پس اگر تم نے اس دعوت کو قبول کرلیا تو تم مسلمانوں میں سے ہوگے ،جو ہمارے لئے ہے وہ ہی تمہارے لئے ہوگا اور جو چیز ہم پر عائد ہوگی وہی تم پر عائد ہوگی ۔ اگر تم نے یہ دعوت قبول نہ کی تو تمہارے لئے دوسرا راستہ جزیہ دینے کا ہے اور اگر تمہیں یہ بھی قبول نہیں تو میں تمہارے اوپر ایسی قوم کو بھیج رہا ہوں جو موت کی اتنی ہی حریص ہے جتنا تم زندگی کے۔ہم تم سے لڑتے رہیں گے یہاں

[1] مصنف ابن ابی شیبۃ،ج:۸،ص:۴۴۱۔کنزالعمال،ج:۴،ص:۶۱۴،رقم الحدیث:۱۱۷۷۶۔
[2] البدایۃ والنہایۃ،ج:۶،ص:۳۷۷۔

تــک کہ اللہ تمہارے اور ہمــارے درمیــان فیصلــہ کردے‘‘۔

اور اس ساری کوشش اور سعی کـا مقصـد کیـا تھـا؟ اس سلسلہ میں حضرت سعد بن ابی وقـاص﷛کے الفـاظ قابــل غــورہیں ،جــو انہوں نے اس دور کی ســپر پــاور کسریٰ کے دربار میں کہے تھے :

((فَقَالَ اِللّٰہ ابْتَعَثَنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَـادِ اِلٰی عِبَـادَةِ اِللّٰہِ وَحْـدَہٗ، وَمِنْ ضِـیْقِ الـدُّنْیَا اِلٰی سَعَتِهَا، وَمِنْ جَوْرِ الْاَدْیَانِ اِلٰی عَدْلِ الْاِسْلَام))[1]

’’بے شک اللہ نے ہمیں بھیجا ہے تـا کہ ہم نکـالیں انسانوں کوبندوں کی عبادت سـے، اللہ وحـدہ کی عبادت کی طـرف اور دنیـا کی تنگی سـے اس کی وســعت کی طــرف اور (باطــل)ادیــان کے ظلم و ستم سے اسلام کے عدل کی طرف۔‘‘

اس حقیقت سے انکـار نہیں کیـا جاسـکتا کہ تبلیغی جمـاعت کے بـانی اور اولین وآخــرین اکــابرین کــا تعلــق بنیــادی طــور پردیوبنــد مکتبہ فکــر ســے ہے۔ لہذا اس سلســلہ میں دیوبنــد مکتبہ فکــر کے معــروف عــالم دین مولانــا محمــد ســرفراز خــان صــفدر﷫کے شــاگرد مفــتی محمدعیسیٰ خان صـاحب نے اپـنی کتـاب ’’کلمـۃ الهـادی الی سـواء السـبیل‘‘جـو کہ انہوں نے تبلیغی جمـاعت کے موجودہ اکابرین کے نظریات وافکار کے رد میں لکھی ہے اور جس کی تائید استاد الحـدیث جـامعہ بنـوریہ نیوٹـاؤن مولانـا فضـل محمـد یوسـف زئی صـاحب سـمیت دیوبنـد مکتبہ فکــر کے دیگــر معــروف علمــاء کــرام نے کی ،اس کتاب میں مؤ لـف کلمہ طیبہ کی دعـوت کے ضـمن میں حضــرت ابــوذر غفــاری ﷛کے ایمــان لانے کے فوراًبعــد مسجدحرام میں قریش کے سامنے کلمہ شہادت پڑھ کر

[1] البدایۃ والنہایۃ،ج:۷،ص:۴۷۔

ایمان لانے کا اعلان کرنے اور اس کے جواب میں قریش کی طرف سے بہیمانہ تشدد کے واقعہ کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر اس طرح تبلیغ ہو کہ تن من دھن کی پروا کئے بغیر کلمۂ شہادت اپنے ''اصلی مفہوم''کے ساتھ جب کہ مخاطب صاحب لسان ہوں،اس کا ترجمہ ان کی زبان میں ایسے بیان کریں کہ وہ سمجھ جائے کہ اس میں ہمارے ''جھوٹے معبودوں'' کا رَد ہے،حتیٰ کہ اذیت پہنچائیں اور وہی کرگذریں جو مشرکین مکہ نے حضرت ابو ذر غفاری کے ساتھ کیا تو تبلیغ کا مزہ آجائے...........معلوم ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ سے معبودانِ باطلہ کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ وہ صاحب لسان تھے، لاالٰہ الا اللہ کے مفہوم کو سمجھتے تھے۔آج کل کے لوگ ایسے ہیں کہ لاالٰہ الا اللہ کو مانتے ہیں، (لیکن)اگر اس کی صحیح تفسیر کی جائے تو وہ اس کو برداشت نہیں کرسکتے بلکہ لا الٰہ الا اللہ کی دعوت و تبلیغ کرنے والے کو شاعر مجنون سمجھتے ہیں ''۔[1]

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعثت کے بعد کلمہ طیبہ کا مفہوم اتنا واضح اور مبین کرکے بیان کیا تھا کہ کفارِمکہ جانتے تھے کہ کلمہ طیبہ صرف زبان سے چند الفاظ نکالنے کانام نہیں ہے ۔صحیح احادیث میں یہ بات مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺاپنے چچا ابوطالب کی سرپرستی کی وجہ سے مکہ میں سردارانِ قریش کے غیض وغضب سے کسی حد تک بچے ہوئے تھے لٰذا سرداران قریش رسول اللہ ﷺکو کلمہ والی دعوت سے روکنے کے لئے بارہا ابوطالب کے پاس آتے تھے کہ اپنے بھتیجے کو سمجھالوورنہ نتائج اچھے نہیں ہوں گے ۔ ابوطالب ہمیشہ سمجھا بجھاکر ان کو بھیج دیا کرتے تھے

[1] کلمة الهادی الی سواء السبیل''ص:۱۵۶۔

لیکن ایک دفعہ ابو طالب نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ یہ لوگ تمہاری شکایتیں لے کر آئے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا :

((یاعم انی أرید علی کلمة واحدة تدین لهم بها العرب وتؤدی الیهم بها العجم الجزیة))

’’اے میرے چچا!میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ لوگ صرف ایک ’’کلمہ‘‘کا اقرار کرلیں توتمام عرب ان کے ماتحت اورفرمانبردارہوجائیں گے اور تمام اہل عجم ان کو جزیہ دینے لگ جائیں گے‘‘۔

یہ بات سن کرسرداران قریش اورخاص کر ابوجہل فوراً بولا:

((وماهی نعم وأبیک عشراً))۔

’’تمہارے والد کی قسم!ایک کلمہ نہیں ،دس کلمے ماننے کو تیار ہیں‘‘۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’لا الٰہ الا اللّٰہ‘‘

یہ کلمہ سن کر سرداران قریش کپڑے جھاڑتے ہوئے یہ کہہ کراٹھ گئے کہ اتنے سارے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنالیا جائے یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔[1]

جب ہی علامہ اقبال نے کیا ہی عمدہ بات کہی:

---

[1] مسنداحمد،ج:۷،ص:۲۷۷،رقم الحدیث:۳۲۴۴۔سنن الترمذی،ج:۱۱،ص:۲۶،رقم الحدیث:۳۱۵۶هذا حدیث حسن صحیح۔المسترک الحاکم،ج:۸،ص:۲۸۴،رقم الحدیث:۳۵۷۶ هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔

چـــــــون می گـــــــویم مســــــــلمانم بلـــــــــرزم
کہ دانم مشـــــــــــــــــــکلات لاالہ را

''جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میں لرز جاتاہوں

کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ''لا الٰہ ''کہنے کے بعد کیا مشکلات آتی ہیں''۔

پس تمــام انبیــاء و رســل نے اپــنی قــوم کے ســامنے ''طاغوت کے کفر اور اللہ پر ایمــان ''کی بنیـاد پـر''کلمہ والی دعوت''رکھی ۔ لہذا آج کوئی بھی فرد یـا جمـاعت قـرآن و سـنت اور سـلف صـالحین کے بیـان کـردہ کلمہ طیبہ کے'' شرعی مفہوم ''کے علاوہ اپنے ذہن یـا کسـی اور کے اخذ کردہ مفہوم و معانی کے مطـابق ''کلمہ کی دعوت ''کو بیان کرے یا اس کی بنیـاد پرلوگـوں کـو جمـع کرے تو اس کی یہ دعوت شرعی لحـاظ سـے دین اسـلام میں تحریف کے مترادف اور مردودیعنی رد شدہ ہے ۔

دوسری اصطلاح
’’نبیوں اوررسولوں والا کام ‘‘

اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمد بہاولپور والے صاحب انبیاء و رسل کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ’’یہ ساری بات میں اس لئے کررہا ہوں کہ انبیاء کی بعثت کا مقصد کیا ہے؟ کہ یہ انسان اگر انسانی زندگی سے اور اپنی فطرتی زندگی سے باہر نکل جائے تو اس کو دوبارہ اس زندگی پر لانے کے لئے اور دوبارہ اس زندگی کو بتانے کے لئے اور سکھانے کے لئے میں نے انبیاء ؑکا سلسلہ قائم کیا اور ’’نظام تبلیغ ودعوت‘‘قائم کیا ہے۔ یہ سلسلہ سیدنا آدم ؑسے چلا ہے اور سید کائنات امام الانبیاء ،خاتم الرسل حضرت محمد ﷺتک یہ سلسلہ مسلسل قائم ہوا ہے‘‘۔[1]

’’نظام دعوت وتبلیغ‘‘کے ضمن میں یہ بات واضح ہوجائے کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین اور احباب اپنی دعوت، کوشش اور جدو جہدجس کو وہ صرف ’’فضائل

[1] کراچی اجتماع ۳۱کتوبر ،۲۰۱۰ء بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔

‘‘کی دعوت و تبلیغ کی بنیاد پر انجام دیتے ہیں اور اپنی ان تمام تر کوششوں کو ’’نبیوں اوررسولوں والا کام ‘‘قرار دیتے ہیں اور اس کو ہی سب سے بڑا کارِ خیرسمجھتے ہیں۔جیساکہ ’’فضائل اعمال ‘‘کے مؤلف مولانا زکریاصاحب مرحوم اجتماعی طور پراس جماعت کامقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’فضائل کے ذریعے دین کا پیاسا بنانا.اجتماعی تعلیم میں صرف فضائل (بیان)ہوں گے‘‘۔[1]

نبیوں اور رسولوں والے کام سے مراد؟

لہٰذا یہ بات جاننا بھی اشد ضروری ہے کہ’’نبیوں اور رسولوں والا کام‘‘سے کیا مراد ہے یعنی انبیاء و رسل کی بعثت کن امور کی انجام دہی کے لئے ہوتی تھی؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلاَّ یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ م بَعْدَ الرُّسُلِ﴾[2]

’’یہ رسول تھے بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے تاکہ نہ رہے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت رسولوں کے آنے کے بعد‘‘۔

﴿یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا﴾[3]

’’ اے نبیﷺ!بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہ بنا کراورآپ بشارت دینے والے ہیں اورخبردار کرنے والے ہیں‘‘۔

---

[1] تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات ‘‘از مولانا زکریا ص:۱۷۴۔

[2] المائدۃ:۱۶۵۔

[3] الاحزاب:۴۵۔

چنانچہ درج بالا آیات سے یہ بات ازخود واضح ہورہی ہے کہ انبیاء ورسل صرف بشارتیں یافضائل سنانے والے نہ تھے بلکہ وہ ساتھ میں خبردار کرنے والے بھی تھے۔یعنی جو اللہ کی ہدایت پر لبیک کہے اس کے لئے اللہ کی رحمتوں کی نوید سنانے والے اور اللہ کے باغیوں اور سرکشوں کو اللہ کے عذاب سے خبردار کرنے والے تھے۔اوربات صرف یہیں ختم نہیں ہوجاتی کہ انبیاء ورسل صرف ''بشیر و نذیر''تھے بلکہ ان کی بعثت کا ''مقصد اعلیٰ''انسانیت کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانے اور باطل نظاموں کے چنگل سے آزادی دلاکراعلائے کلمۃ اللہ یعنی شریعت کا نفاذہوا کرتا تھا ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾[1]

''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں اور ترازو (یعنی نظامِ عدل و قسط) نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں''۔

حضرت موسیٰ کا مقصدِ بعثت بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے اور دین حق کے قیام کے لئے تھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾[2]

''(اے موسیٰ)جاؤفرعون کی طرف کہ بیشک وہ سرکش ہوگیا ہے۔''

چنانچہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں فرعون کے پاس گئے :

---

[1] الحدید:۲۵۔

[2] سورۃ طٰہٰ:۲۴۔

﴿ فَـاْتِیٰہُ فَقُـوْلَآ اِنَّا رَسُـوْلَا رَبِّکَ فَاَرْسِـلْ مَعَنَـا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ وَلَا تُعَذِّبْھُمْ قَدْ جِئْنٰکَ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکَ وَالسَّـلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی﴾[1]

’’تم اس کے پـــــاس جـــاکر کہو کہ ہم تمہارے پروردگـار کے پیغمـبر ہیںتـوتم ہمـارے سـاتھ بـنی اســرائیل کــو بھیج دو،ان کــو تکلیــف نہ دو ہم تمہارے پـاس تمہارے رب کی نشـانیاں لے کـر آئے ہیں،اور سلامتی ہے اس کیلئے جو راہ راست کی پیروی کرے۔‘‘

کیا انبیاء کرام کی بعثت صرف ’’زبانی دعوت‘‘تک محدود تھی؟

اکـابر تبلیغی جمـاعت مولانـا محمـد احمـد صـاحب بہاولپوروالے کہتے ہیں :

’’دین کیسـے قـائم ہوتـا ہے؟اللہ تعـالیٰ کہتے ہیں کہ دین کــو دنیــا میں قــائم کــرنے کے لــئے میں نے ہمیشہ انبیا ءکو بھیجا ہے اور وہ سب ’’اصحاب دعوت‘‘تھے ۔دین جب بھی آیاہے اور جن میں بھی آیا ہے وہ ’’دعوت‘‘کے راستے سے آیا ہے !‘‘۔[2]

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

’’تو خوب سمجھ لیجـئے اس ضـابطے کـو کہ کـافر کو اسلام میں لانے کے لئے یا مسلمان جـو کـافروں کی زنــدگی اپنــاکر اللہ کے عــذاب اور عتــاب میں آجــائیں ،ان کــو اس ســے نکــالنے کے لــئے اللہ نے جونظام بنایا ہے وہ ایـک ہی نظـام ہے، دو نظـام

[1] سورۃ طٰ :۴۷۔
[2] کراچی اجتماع ،۲۸جولائی ،۲۰۰۷ءبحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔

نہیں۔ اس نظام کا نام ہے ’’دعوت و تبلیغ‘‘۔ کافر کبھی اسلام میں نہیں آئے، تاریخ انسانی خالی ہے، کافر کبھی اسلام میں نہیں آئے سوائے انبیاء کی محنت جو ’’دعوت ‘‘کہلاتی ہے اور بگڑی ہوئی مسلمان امتیں دوبارہ اپنی زندگی کی طرف نہیں لوٹیں سوائے انبیاء کی محنت (یعنی دعوت) کے۔ یہ بات بالکل ضابطے کے اندر طے ہے ۔ مسلمانوں نے اپنے اس اعزاز اور اس امتیاز کی ناقدری کرکے اپنے آپ کو بھی نقصان پہنچایا ہے اور پوری انسانیت کو بھی نقصان پہنچایا ہے ۔ان کے اسلام میں داخلے کا راستہ ’’دعوت‘‘کے علاوہ ہے ہی نہیں‘‘۔[1]

مزید ایک اور جگہ کہتے ہیں:

’’یہ بڑی عجیب بات کہ میں سوچتا ہوں کہ کہاں گئی عقلیں! اگر اللہ کے نزدیک راستے مختلف ہوتے تو حکمت الٰہی کا تقاضاتھا کہ نبی مختلف راستوں سے آتے ۔کسی کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنادیا جاتا ،کسی کو بہت بڑی حکومت دی جاتی اور کسی کو یہ کہاجاتا کہ تم لوگوں کو نکالو‘‘۔[2]

تبلیغی جماعت کے اکابرین و اراکین انبیاء و رسل والے کام کوصرف ’’دعوت ‘‘کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور وہ بھی اپنے اخذ کردہ مفہوم پر ،نہ کہ اس شرعی مفہوم پر جس کو ہم پہلے بیان کرچکے اور پھر ’’دعوت‘‘کو صرف زبانی حد تک محدود مانتے ہیں اور انبیاء کی بعثت کا مقصدکو صرف ’’زبانی دعوت‘‘تک محدود رکھتے ہیں اور اس دعوت میں’’طاقت‘‘کے

[1] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۷ء ۔بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔
[2] کراچی اجتماع ۔۲۹جولائی ،۲۰۰۷۔بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔

استعمال کو یا باالفاظ دیگر ’’قتال فی سبیل اللہ‘‘ کو شامل نہیں سمجھتے تو ان کی یہ غلط فہمی کو قرآن بڑے واضح الفاظ میں رد کردیتاہے اور یہ واضح کردیتا ہے کہ’’ نبیوں اور رسولوں والا کام‘‘اس وقت کے معبودانِ باطلہ اور کفریہ نظام کا صرف زبانی انکار نہیں ہوتا تھابلکہ عملاً اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنے اور اس شریعت کو نافذ کرنے کے لئے کفار سے ’’قتال ‘‘بھی ہوتا تھاہارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَکَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قَاتَلَ مَعَہٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ[1]

’’اس سے پہلے بھی کتنے ہی نبی ایسے گزرچکے ہیں ،جن کے ساتھ مل کر اللہ والوں نے قتال کیا‘‘۔

سورہ الحدید کی اوپر ذکر کردہ آیت جس میں رسولوں کا ’’مقصد بعثت‘‘کو بیا ن کیا گیا وہاں اس بات کی بھی وضاحت کردی گئی :

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ[2]

’’اور ہم نے(اس کام کی تکمیل کے لئے)لوہا نازل کیا جس میں جنگ کرنے کی بڑی صلاحیت ہے ‘‘۔

’’نبیوں اور رسولوں والا کام ‘‘اورقرآن و حدیث سے چند مثالیں:

ذیل میں کچھ مثالیں قرآن و حدیث سے بیان کی جاتی ہیں، جس سے واضح ہوجائے گاکہ ’’نبیوں اور رسولوں والے کام ‘‘میں بشارت و انذار کے ساتھ ’’قتال‘‘بھی بدرجہ اتم شامل تھاہحضرت موسیٰ ہنے

[1] آل عمران :۱۴۶۔
[2] سورۃالحدید:۲۵۔

جب ایک شہر کو فتح کرنے کے لئے بنی اسرائیل کو ابھارا تو اس کا جواب قوم نے یوں دیا:

﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ﴾[1]

’’(اے موسیٰ)تم اور تمہارا رب جاکر قتال کرو ،ہم تو یہیں بیٹھیں‘‘۔

چنانچہ اس بیٹھے رہنے اور قتال نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طر ف سے سخت وعیدیں نازل ہوئیں۔

حضرت لوط؈جب اپنی قوم کی بد اعمالیوں سے تنگ آگئے اور ان کی قوم میں کوئی ایک بھی صالح مر د باقی نہیں بچاتو انہوں نے حسرت بھرے الفاظ کہے:

﴿ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّةً﴾[2]

’’کاش!میرے پاس (لڑنے کیلئے)کوئی قوت ہوتی‘‘۔

بنی اسرائیل میں اہل ایمان جناب طالوت کی سرکردگی میں وقت کے جابر’’جالوت‘‘اوراس کی فوج سے نبرد آزما ہورہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے عین وقت پر حضرت داؤد؈کے ذریعے اہل ایمان کی نصرت فرمائی جس کا ذکر قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے:

﴿فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰہُ الْمُلْکَ﴾[3]

’’پس اہل ایمان نے اللہ کے حکم سے جالوت کے لشکر کو شکست دی اور حضرت داؤد؈نے جالوت

---

[1] المائدة:۲۴۔
[2] ھود:۸۰۔
[3] البقرة:۲۵۱۔

کوقتل کردیا اور ہم حضرت داود کو ملک عطاکیا‘‘۔

حضرت سلیمان نےملکہ سبا ء کو اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں اس کے قاصد کو یوں دھمکی آمیز لہجے میں فرمایا:

اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّة وَهُمْ صَاغِرُوْنَ ۔[1]

’’جاؤ ان کی طر ف واپس لوٹ جاؤہم ان کے اوپر وہ لشکر لائیں گے جن کے مقابلے کی طاقت ان میں نہ ہوگی اور ہم انہیں ذلیل و رسوا کرکے وہاں سے ان کو نکال دیں گے‘‘۔

رسول ﷺنے ایک جنگ کے موقع پرصحابہ کرامؓکو جوش دلاتے ہو ئے حضرت اسماعیل ؑکی تیر اندازی کو بطور نمونہ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

((ارموا بنی اسماعیل فان اباکم رامیا))[2]

’’اے بنی اسماعیل !خوب تیر چلاؤ،تمہارے باپ اسماعیلؑبھی تیر انداز تھے‘‘۔

خود نبی کریم ﷺنے اپنے مقصد بعثت کو یوں بیان فرمادیا:

((أمرت أن أقاتل الناس حتی یشهدوا أن لاالٰہ الا اللہ وأنّ محمداًرسول اللہ ویقیموا الصلاۃ ویؤتوا الزکاۃ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماء هم وأموالهم الا بحقّها وحسابهم علی اللہ))[3]

[1] النمل:۳۷۔
[2] صحیح البخاری،ج:۱۰،ص:۳۰،رقم الحدیث:۲۶۸۴۔
[3] صحیح البخاری،ج:۱،ص:۱۷،رقم الحدیث:۲۵۔

’’مجھے حکم دیاگیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ’’لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ‘‘کی گواہی نہ دیں اورنماز قائم کریں اورزکوٰۃادا کریں، جب وہ یہ کام کریں گے توان کا مال اورجان محفوظ ہے سوائے اس حق کے اور ان کاحساب اللہ پر ہے۔ ‘‘

چناچہ قرآن و سنت کے درج بالا بیان کردہ’’نبیوں اور رسولوں والا کام ‘‘کے شرعی مفہوم کو اختیار کرنے کا حکم تمام مسلمانوں کو بھی دیا گیا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ [1]

’’ اے مسلمانوں !ہم نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی وصیت کی تھی ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اور جس کی وحی کی ہے(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کی طرف ا ور جس کی وصیت کی تھی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ(ع) کو کہ اس دین کو قائم کرو اوردین کے معاملہ میں پھوٹ نہ ڈالو۔‘‘

کتاب ’’کلمة الهادى الى سواء السبيل‘‘کے مؤلف مفتی محمد عیسیٰ خان اپنے استاد اور معروف دیوبندی عالم مولانا صوفی عبد الحمید سواتی ؒکی کتاب سے نقل کرتے ہیں :

’’تبلیغی جماعت والے بڑا ادعاکرتے ہیں کہ ان کا کام سب سے فائق اور پیغمبرونکام ’’اصلی کام‘‘ہے۔ دعوت و تبلیغ (قرآن و سنت کے بیان کردہ اپنے اصل مفہوم کے

---

[1] سورةالشوریٰ :١٣۔

ساتھ)بلا شبہ اسلام کا ایک رکن اور اصول ہے۔تمام انبیاء کرام ؑاور تمام مخلصین پیروکاران انبیاء یہ کام کرتے رہے ہیں ،لیکن تمام دین کا انحصار صرف تبلیغ میں ماننا اور باقی شعبوں کو بالکل نظر انداز کردینا اور یہ سمجھنا کہ یہ باقی (امور)تو دین کے کام ہی نہیں،دین کا کام تو بس یہی ہے جو ہم کرتے ہیں چھ نکات کی تبلیغ،گشت کا عمل،چلہ ،چار ماہ ،سہ روزہ،جمعرات کا اجتماع،شش ماہی جوڑ ،سالانہ ایک بڑا عظیم اجتماع ،جماعتوں کی ملک بہ ملک ،شہر بہ شہر ،قریہ بہ قریہ روانگی ،بس یہی دین ہے۔اس کے علاوہ تعلیم و تدریس ،مساجد کی امامت و خطابت ،تصنیف وتالیف، مدارس دینیہ اور تعلیم گاہوں کا قیام و اجرا،سیاست ملیہ میں حصہ لینا یا اس کے لئے تنظیم کرنا یا باطل فرقوں کا مقابلہ کرنا ،تقریر و تحریر سے ان کاجواب دینا یا بالفعل دشمنان دین کے ساتھ ’’جنگ‘‘ کرنا ،یہ تمام امور ان کے نزدیک نصاب سے خارج ہیں ‘‘۔[1]

چنانچہ ثابت ہوا کہ ’’نبیوں اور رسولوں والا کام ‘‘صرف فضائل کی تبلیغ پر منحصر نہیں ۔تمام انبیاء و رسل نہ صرف یہ کہ دین اسلام قبول کرکے اس پر چلنے والوں کو بشارت دینے والے تھے اور دین اسلام کو قبول نہ کرنے یا اس کے برخلاف عمل کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے تھے بلکہ بذریعہ ’’قتال ‘‘دین اسلام کا نفاذ بھی ان کی بعثت کا اولین مقصد ہوتا تھا۔ لہٰذا اب جو فرد یا جماعت اپنی کوشش اور سعی کو ’’نبیوں اور رسولوں والا کام ‘‘قرار دے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بنیادی مقاصد میں بشارت وانذار (جس کو زبانی دعوت کہتے ہیں)کے ساتھ ساتھ بذریعہ قتال (جس کو دعوت قہریہ کہتے ہیں)دین اسلام کا بالفعل نفاذ بھی شامل ہو ورنہ ایسے فرد یا جماعت کا

[1] کلمة الهادی الی سواء السبیل‘‘ص:۲۱۸۔

حقیقت میں ’’نبیوں اور رسولوں والے کام ‘‘سے کوئی تعلق نہیں ۔

تیسری اصطلاح
’’اللہ کے راستے کی محنت ‘‘

’’اللہ کے راستے کی محنت ‘‘کے بارے میں اکابرین تبلیغی جماعت کے نظریات:

تبلیغی حضرات کے اکابرین سے لے کر عام احباب تک عموماً ایک جملہ’’اللہ کے راستے کی محنت ‘‘جس کا عربی ترجمہ ’’فی سبیل اللہ ‘‘بنتا ہے ،استعمال کرتے ہیں اور اس کا استنباط اپنی مروجہ تبلیغی مساعی پرکرتے ہیں اورپھر اسی بنیاد پرنہ صرف ’’جہاد فی سبیل اللہ ‘‘سے متعلق آیات و احادیث کوبھی اپنی مروجہ تبلیغی مساعی پر منطبق کرتے ہوئے اس کو جہاد کا اعلیٰ درجہ سمجھتے ہیں بلکہ ’’جہاد فی سبیل اللہ‘‘ کی شرعی اصطلاح کوصرف ’’قتال ‘‘کے ساتھ مخصوص نہیں کرتے بلکہ اس کو نفس اور شیطان کے خلاف جہاد اور اپنی مروجہ تبلیغی اسفار پر بھی منطبق کرتے ہیں۔

اکابر تبلیغی جماعت مولانا زکریا صاحب مرحوم فرماتے ہیں:

> ’’جہاد کے لغوی معنی مشقت اٹھانے کے ہیں اور شرعاً مشقت کا اُٹھانا کفار کے (ساتھ)قتال میں بھی اور اس کا اطلاق ’’مجاہدہ نفس‘‘پر بھی ہوتا ہے اور شیطان سے مجاہدہ پر بھی ہوتا ہے۔‘‘[1]

[1] تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات ،ص:۶ہ

مزید کہتے ہیں:

’’اللہ کا راستہ (یعنی فی سبیل اللہ)جہاد بالقتال کے ساتھ مخصوص نہیں ہے ‘‘۔[1]

’’اہل علم سے بڑا تعجب ہے کہ وہ ’’فی سبیل اللہ ‘‘کے لفظ کو ’’جہا د بالقتال ‘‘کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں جبکہ نصوصِ قرآنیہ اوراحادیث کثیرہ اس کے ’’عموم‘‘پر دلالت کرتی ہیں ‘‘۔[2]

پھر اپنی مروجہ تبلیغ کے لئے کئے جانے والے سفر پر ’’جہاد فی سبیل اللہ‘‘کی شرعی اصطلاح سے متعلق وارد شدہ آیات واحادیث کو منطبق کرتے ہوئے ان تبلیغی اسفارکو جہاد فی سبیل اللہ کا’’اعلیٰ درجہ‘‘قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

’’کسی کی طرف سے یہ مضمون سنتا ہوں کہ تبلیغ والے ’’خروج فی سبیل اللہ ‘‘میں جو جہاد کے ساتھ مخصوص ہے ’’خروج للتبلیغ‘‘کو شامل کرتے ہیں تو (اُس پر)مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے ۔بحرحال اس سیہ کار کے نزدیک تو ’’خروج فی سبیل اللہ‘‘ کی آیات و احادیث میں یہ (تبلیغی جماعت کے)لوگ اپنے تبلیغی اسفار کو داخل کریں تو نہ کوئی اس میں اشکال ہے نہ ترددہے، اور جہاں تک اس کوتاہ نظر کی معلومات کا حاصل ہے وہ مفسرین محدثین کی کلام میں’’ فی سبیل اللہ‘‘کا لفظ ’’قتال‘‘کے ساتھ مخصوص نہیں پایا ۔اس لئے اہل تبلیغ کا ان آیات اور روایات سے ’’خروج للتبلیغ‘‘،جو ’’فی سبیل اللہ‘‘کا اعلیٰ

[1] تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات ، ص: ۱۱۔

[2] تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات ،ص: ۱۱۔

فرد(درجہ)ہے ،پر استدلال کرنا بے محل نہیں ہے‘‘۔ [1]

اسی طرح اکابر تبلیغی جماعت مولانا جمشید صاحب تبلیغی جماعتوں کے نکلنے کو’’اللہ کے راستے‘‘ میں نکلنے سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’تو غیر اللہ سے ہونے کا یقین دل سے نکالواور اللہ ہی سے ہونے کا یقین دل میں ڈالواور اس کا راستہ ہے’’دعوت‘‘۔(لہٰذا)’’اللہ کے راستے ‘‘میں وقت لگاؤ،باہر کے ملکوں کی جماعت بناؤ،گھر گھر ،دروازے دروازے پر جاؤ‘‘۔[2]

اسی طرح اکابر تبلیغی جماعت مولانا فہیم صاحب تبلیغی جماعتوں کے نکلنے کو’’اللہ کے راستے‘‘ میں نکلنے سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’کل سارا مجمع ہدایات کو سنے گا انشاء اللہ!یہ نہ ہو کہ ادھر ہدایات شروع ہوئی اور ادھر جو جماعتیں آگے بیٹھی ہوئی ہیں وہ تو سن رہی ہیں ،باقی سب کوئی ناشتے میں ، کوئی برتن سمیٹنے میں، کوئی چیزوں کو سمیٹنے میں ،نہیں بھائی نہیں یہ بڑا نقصان ہے۔اللہ کی اور اللہ کے رسول کی بات صرف ’’اللہ کے راستے میں نکلنے والوں ‘‘کے لئے نہیں ہے۔جو ’’اللہ کے راستے ‘‘میں نکلے ہیں ،یہ تو بہت قابل قدر ہیں ،ان کو دیکھنا بھی فائدے سے خالی نہیں ہے۔ان کی زیارت کرتے رہنا اور وہ بات کو سننا جو ان سے کہی جارہی ہے‘‘۔[3]

---

[1] تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات ، ص: ۱۵۔

[2] کراچی اجتماع ،۲۸جولائی ،۲۰۰۷،بحوالہ علمی کیسٹ گھر ،کراچی ۔

مولانا طارق جمیل صاحب کہتے ہیں:

''تبلیغ والے''آیاتِ جہاد''کو تبلیغ پر فٹ کرتے ہیں (اس پر اعتراض کی وجہ یہ ہے کہ)تمہارے ذہن میں تبلیغ کے بارے میں وہ عظمت نہیں ہے، وہ ہیبت نہیں ہے جوکہ ہونی چاہیے تھی''۔

چنانچہ ان تمام اقوال کے پیش نظراس بات کا جان لینا ضروری ہوگیا ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں''اللہ کا راستہ ''یعنی ''فی سبیل اللہ ''یا''جہاد فی سبیل اللہ''سے کیا مراد ہے ؟کیا اس سے متعلق آیات و احادیث کا کسی ایسی جدوجہد یا کوشش پر انطباق کرنا جس کا فی الواقع جہاد فی سبیل اللہ سے جانی ،مالی یا زبانی طور پر کسی صورت واسطہ نہ ہو،کہاں تک درست ہے............؟

اس سلسلہ میں جہاد فی سبیل اللہ کے حوالہ سے قرآن و حدیث کی بنیادی نصوص اور سلف وصالحین کی بیان کردہ ''شرعی و اصطلاحی ''معانی کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ امت مسلمہ میں جب بھی کوئی جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق بات کرے تواس کے شرعی معانی ہماری نظرمیں رہیں ۔اب چند تعریفات آپ کے سامنے پیش خدمت ہیں ۔

رسول اللہ ﷺکی زبانی ''جہاد فی سبیل اللہ ''سے مراد:

سب سے پہلے میں حضورﷺکی زبانِ مبارک سے کی گئی جہادکی تعریف سن لیجئے:

[3] اسلام آباد اجتماع ۔اگست ۲۰۰۹، ۔بحوالہ سرحد اسلامی کیسٹ ہاؤس ،راولپنڈی ۔

((قال فای الھجرۃ افضل؟قال الجھاد،قال وماالجھاد؟قال ان تقاتل الکفاراذا لقیتھم ولاتغل ولا تجبن))[1]

’’(ایک)صحابی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! سب سے افضل ہجرت کون سی ہے؟حضور ﷺنے فرمایا کہ بہترین ہجرت جہاد کی ہجرت ہے۔ صحابی نے پوچھا کہ جہاد کیا چیز ہے؟حضور ﷺنے فرمایا کہ:’’جہاد یہ ہے کہ تم بوقت مقابلہ کفار سے لڑو اور اس راستہ میں خیانت نہ کرواور نہ بزدلی دکھاؤ‘‘۔

((قیل وماالجھاد ؟قال ان تقاتل الکفاراذالقیتھم ۔ قیل فای الجھاد افضل؟قال من عقر جوادہ واھریق دمہ))[2]

’’پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ!جہاد کیا چیز ہے؟حضور ﷺنے فرمایا کہ جہا دیہ ہے کہ تم مقابلہ کے وقت کفار سے لڑو،کہا گیا افضل ترین جہاد کون سا ہے ؟حضور ﷺنے فرمایا کہ اس شخص کا جہاد جس کا گھوڑا کٹ مرے اور خود اس کابھی خون گرجائے(یعنی وہ شہید ہوجائے)‘‘۔

((من قاتل لتکون کلمۃ اللّٰہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللّٰہ))[3]

’’جس نے جنگ کی اس لئے کہ اللہ ہی کا کلمہ بلند ہوجائے تو وہ ہی ہے اللہ کی راہ میں ‘‘۔

[1] کنزالعمال ،ج:۱،ص:۷۲۔مجمع الزوائد،ج:۱،ص:۵۹ورجالہ ثقات۔
[2] مسند احمد،ج:۳۴،ص:۳۹۷،رقم الحدیث:۱۶۴۱۳۔ کنز العمال ج:۱،ص:۲۷ورجالہ ثقات۔
[3] صحیح البخاری،ج:۱،ص:۲۰۹،رقم الحدیث:۱۲۰۔صحیح مسلم،ج:۱۰،ص:۶،رقم الحدیث:۳۵۲۵۔

’’جہاد فی سبیل اللہ‘‘ کے شرعی معانی فقہاء کرام کی نظر میں :

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں :

’’الجهاد بكسرالجيم اصلہ لغة هو المشقةوشرعاً بذل الجهد فی قتال الكفار‘‘۔[1]

’’جہاد کسرۂ جیم کے ساتھ لغت میں بمعنی محنت و مشقت ہے اور اصطلاحِ شریعت میں کفار سے لڑنے میں اپنی پوری طاقت کو استعمال کرنے کا نام جہاد ہے‘‘۔

’’الجهاد هو القهرالاعداء أی المحاربة مع الكفار‘‘۔[2]

’’دین کے دشمنوں کو مغلوب کرنے کے لئے کفار سے لڑنے کا نام جہاد ہے‘‘۔

’’الجهاد أی قتال فی سبیل اللّٰہ ‘‘

’’جہاد کے معنی قتال کرنا اللہ کی راہ میں‘‘۔[3]

’’قتال الكفار‘‘[4]

’’جہاد کفار سے قتال کا نام ہے‘‘۔

علامہ ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں:

---

[1] الفتح الباری لابن حجر،ج۶ص۴۔

[2] شرح شرعة الاسلام ص۵۱۷۔

[3] امام الباجوری ،ابن القاسم ج۲ص۶۲۱۔

[4] مطالب أولی النهیٰ ج ۲ ص ۴۹۷۔

’’الجهاد:دعوة الکفار الی الدین الحــق وقتــالهم ان لم یقبلوا‘‘[5]

’’دین حق کی طرف دعوت دینا اور اگــر و قبــول ن کریں تو ان س جنگ کرنا ‘‘

علمائ اصول فرمات یں:

’’الجهاد دعــوة قهریــة فتجب اقامــة بقــدر الامکــان حتی لایبقی الامسلم او مسالم‘‘[2]

’’جاد قوت وغلب ک ذریع دعوت پهیلان کــا نــام پس جاد کو استطاعت بهر قائم کرنا فر ض یاں تک ک کوئی ایســا شــخص بــاقی ن ر جو مسلمان ن ویا پهر مسلمانوں س مصــالحت (یعنی جزی دین پر) آماد ن وچکاو‘‘

صاحبِ ’’مجمع الانهر‘‘فرمات یں:

’’والمــراد الاجتهــاد فی تقــوة الــدین بنحــو قتــال الحــربین ،والــزمین،والمرتــدین الــذین هم أ خبث الکفار لانکار بعدالایمان،والباغین‘‘[3]

’’گویــا جاد ســ مــراد ی ک دین کی تقــویت کی خــاطر جاد کــرت وئ حــربی کــافروں ســ قتــال کرنــا ،(معاد شــکن)ذمیــوں ســ قتــال کرنا،’’مرتدین ‘‘س قتال کرنا جــو درحقیقت کفــار کی خبیث ترین قسم یں کیونک انوں ن ایمــان لان ک بعد اس کاانکار کیا اور اسی طرح بــاغیوں س‘‘

---

5 فتح القدیر،ج:۵،ص:۱۸۷
2 حاشیة الشروانی وابن القاسم علی تحفة المحتاج علی المنهاج :۹/۲۱۳
3 مجمع الانهرشرح ملتقی الابحر :کتاب السیر

جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق چند ضروری وضاحتیں:

اس ضمن میں ایک ضروری اور اساسی بات سمجھنے کی ہے۔''جہاد''کے لغوی معنی تو ''بھرپورمحنت،کوشش اور جدوجہد '' ہی کے ہیں لیکن شریعت کی اصطلاح میں ''جہاد فی سبیل اللہ ''سے مراد ''بذل الجهد فی قتال الکفار''یعنی کفارکے خلاف جنگ میں اپنی پوری قوت کھپادینا ہے۔لفظ'' فی سبیل اللہ''کے الفاظ قرآن و حدیث میں جہاں مطلقاًاستعمال ہوئے ہیں، اس کے یہی معنی ہیں۔

لفظِ''فی سبیل اللہ ''یا ''جہادِ فی سبیل اللہ ''جب بھی ہمارے سامنے آئے گا مطلقاً اس سے قتال مراد لیاجائے گا۔اگرچہ قرآن و حدیث میں بعض جگہ یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں بھی آیا ہے ، لیکن چند جگہوں پر لفظ' فی سبیل اللہ ''یا ''جہاد فی سبیل اللہ '' کا لغوی استعمال اس کے اصلی اصطلاحی معنی کو نہیں بدلتا اور نہ ہی اس سے جہاد فی سبیل اللہ کی مشروعیت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔کیونکہ اگر ہم اس کے لغوی معنی پر احکاما ت کا استنباط کریں گے تو پھر کوئی بھی شخص ''صلوٰۃ ''کو کبھی اپنی مرضی سے دُعاء مراد لے گا اور کبھی نماز لے گا،لفظ ''زکوٰۃ '' کو کبھی اپنی مرضی سے تزکیہ مرادلے گااور کبھی اگر دل چاہے گا تو شریعت کی طرف سے مقرر کردہ زکوٰۃ مراد لے لے گااور اسی طرح ''حج''کو کبھی اپنے گھر کے قصد کے لیے قیاس کرلے گا اور کبھی اس کو ''حج بیت اللہ ''مراد لے لے گا۔لٰہذا دین میں کسی بھی چیز کی ایسی تعریف جوکہ اس کی شرعی و اصطلاحی تعریف سے متصادم ہو تویہ بات دین میں ''فساد''کا باعث ہے اور تحریف کے مترادف ہے جس سے بچنا ہر مسلمان کے لئے واجب ہے۔

اسی طرح یہاں شریعت کا یہ اصول بھی پیش نظر رہے کہ احادیث مبارکہ میں وارد کسی بھی عمل پر ارکان اسلام یا جہاد فی سبیل اللہ کے مثل ثواب کے بیان کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ رکن یا فرض اُس عمل کے کرنے کی وجہ سے اداہوگیامثلاً ماں باپ کو ایک دفعہ شفقت بھری نگاہ سے دیکھنے پر حج کے مثل ثواب بیان کیا گیا لیکن یہ عمل کرنے سے حج کی ''فرضیت''اپنی جگہ برقرار رہتی ہے اور اس کی فرضیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔اسی طرح کسی بھی عمل پر اگر جہاد فی سبیل اللہ جیسا ثواب بیان کیا گیا تو اس کواختیار کرنے سے کسی شخص پرجہاد کی ''فرضیت ''ساقط نہیں ہوجائے گی اور اگر کوئی شخص ان ارکان یافرائض سے غفلت برتے اور ان کی ادائیگی کے بجائے وہ اعمال جن پر ان فرائض کی ادائیگی کے مثل ثواب بتلایا گیا ہے ،اُن ہی پر عمل کو کافی سمجھے تو اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ اِن فرائض کی عدم ادائیگی کے نتیجے میں اُن اعمال(مثلاًماں باپ کو شفقت سے دیکھنے)پر ملنے والا ثواب بھی ضائع ہوجائے بلکہ ان فرائض کے تارک ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے عتاب وعذاب کامستحق ٹھہرے ۔

اسی طرح ایک ضروری بات یہ بھی سمجھ لیں کہ جہاد کی تعریف میں بعض علماء نے جہاد کی بعض انواع کا ذکر بھی کیا ہے یعنی ایک نوع جہاد بالمال ہے، دوسری نوع جہاد باللسان ہے اور تیسری نوع جان سے جہاد کرنا ہے۔غرض یہ ہے کہ''جہاد باللسان''وہ ہے کہ جس سے جہاد کا فائدہ ہو یعنی جہاد کی ترغیب ہو،تقریر ہو،فضائل جہاد کا تذکرہ ہو،جہاد سے متعلق جوشیلے اشعار ہوں اور جان دار نظمیں ہوں،کفار کو دھمکی ہو،للکارہو۔

یہ جہاد باللســــــان ہے ،نہ یہ کہ دو گھنــــــٹے کی تقریروبیان کھانے پینے اور پہننے کے آداب پر ہویا عبــادات کے’’فضـــائل‘‘پـــر اور پھـــر کہا جـــائے کہ میں نے جہاد باللســان کیــا ہے۔ نیـک کـام تــو ہوسـکتا ہے۔ لیکن جہاد باللسان نہیں۔اسـی طـرح ’’جہاد بالمـال‘‘یہ ہے کہ آپ کے مال سے میـدانِ جہاد اور مجاہدین کـو فائـدہ پہنچے، نہ یہ کہ آپ نے کسی فقیر کو پیسے زکوٰۃ اداکیا اور پھــر کہا کہ میں نے جہاد بالمال کیا، یہ نیک کـام تــو ہے لیکن جہاد بالمال نہیں۔امام کاسانی الحنفی ؒفرماتے ہیں:

’’بــذل الواســع والطاقــة بالقتــال فی ســبیل اللّٰہ عزوجل بانفس والمال وغیر ذلک‘‘[1]

’’اللہ کے راستے میں قتال کے لــئے نفس ،مــال اور زبان وغیرہ کی پوری طاقت لگادینا‘‘۔

غرضیکہ ہر وہ کوشـش جـو کہ جہاد فی سـبیل اللہ کی مددو نصرت کے لئے کی جائے ،چاہے وہ جہاد کے لـئے لوگـوں کـو زبـان سـے تیـار کرنـا ہو،یـا مجاہدین کے لـئے سامانِ حرب ورسد کـا فـراہم کرنـا ہو۔رسـول اللہﷺنے فرمایا:

((جاهـــــدو المشــــركین بــــاموالكم وانفســــكم والسنتكم))۔[2]

’’مشـــرکوں ســـے جہاد کـــرو اپـــنے مـــالوں کے ساتھ ،اپـنی جـانوں کے سـاتھ اور اپـنی زبـانوں کے ساتھ‘‘۔

((ان اللّٰہ عزوجــل یــدخل بالســهم الواحــد ثلاثــة نفرالجنة ؛صانعہ الذی یحتسـب فی صـنعتہ الخـیر،

[1] امام کاسانی ؒ،بداع ج:۹ص:۴۲۹۹۔
[2] مسند احمد،ج:۲۴،ص:۳۴۴،رقم الحدیث:۱۱۷۹۸۔

والذی یجھز بہٖ فی سبیل اللّٰہ ،والذی یرمی بہٖ فی سبیل اللّٰہ))[3]

’’بے شک اللہ عزوجل ایک تیر سے تین بندوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں ،تیر بنانے والا جو اسے بنانے میں بھلائی کا ارادہ رکھتا ہو،اللہ کی راہ میں وہ تیر(مجاہد کو)مہیا کرنے والا ،اور اللہ کی راہ میں وہ تیر چلانے والا‘‘۔

مولانا فضل محمدیوسف زئی صاحب ،الاستاذ الحدیث جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی ،اپنی کتاب ’’جنگ خندق ‘‘فرماتے ہیں :

’’بنیادی طور پر یہ بات جان لینی چاہیے کہ کسی حکم کی ’’شرعی حیثیت ‘‘اور اس کا ’’شرعی مقام‘‘اس کی شرعی تعریف سے معلوم ہوسکتا ہے،’’لغوی مفہوم‘‘پر ’’شرعی احکام‘‘کا مدار نہیں ہوتا ....بالکل اسی طرح لفظ ’’جہاد‘‘ہے ،اس مظلوم لفظ کا لغوی مفہوم تو ’’محنت ‘‘ہے لیکن اس کا ایک شرعی مفہوم ہے اور اس کی ایک اصطلاحی تعریف ہے ،اب اس شرعی مفہوم کو چھوڑکر اس کے لغوی مفہوم کو عام کرنا اور اس کی آڑ لے کر شرعی جہاد سے پہلو تہی کرنا اور اس میں سستی کرنا اور طرح طرح کی تاویلات میں عوام الناس کو الجھائے رکھنا ،جہاد پر ظلم کے ساتھ مسلمانوں کی بدخواہی اور کافروں کی خیر خواہی کے مترادف ہوگا جس سے ہر مسلمان کو احتراز لازم ہے‘‘۔

مزید فرماتے ہیں :

[3] مسند احمد،ج:۳۵،ص:۲۰۹،رقم الحدیث:۱۶۶۹۹۔

’’جان سے جہاد یہ ہے کہ اس جان کو میدان جہاد میں لگادو اور اس مقدس عمل میں اسے کھپادو ۔’’جہاد بالنفس‘‘یہ ہے کہ جس میں نفس واسطہ اور ذریعہ و آلہ بن جائے اس میدان جہاد کے لئے!نہ یہ کہ میدانِ جنگ تو خواب میں بھی نہ دیکھا ہواور کہتا پھرتا ہو کہ میں مجاہد ہوں ،جہادکررہاہوں، اور اگر ہر نیک عمل کرنے والے کو آپ ’’مجاہد شرعی‘‘کہیں گے تو پھر یقیناً۔فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰھِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ ”اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کوبیٹھے رہنے والوں کے مقابلہ میں اجر عظیم عطافرمایا ہے“کا مفہوم سمجھنا محال ہوجائے گا کہ مجاہد کا درجہ بیٹھنے والے کے مقابلہ میں بڑا ہے ،کیونکہ بیٹھنے والے بھی صحابہ کرامؓ تھے ،جن کے اعمال سو فیصد صحیح تھے ،تہجد گزار تھے ،روزے دار تھے ہرعبادت میں مشغول تھے ،ان کو اس حالت میں ’’مجاہدین‘‘ کیوں نہیں کہا گیا ،بلکہ مجاہدین سے ان کو خارج کیوں کیا ؟اور صرف اُن کو مجاہدین کیوں قرار دیا گیا جو کفار کے مقابلہ میں نکلے تھے؟ معلوم ہوا کہ میدانِ جہاد میں جانے والا مجاہد ہوتا ہے ،ہر عابد مجاہد نہیں ہوتا!(چنانچہ)میرے بھائی اور میرے دوست!’’جہا دشرعی‘‘کرنے والے کو مجاہدکہو۔’’جہادِلغوی‘‘یعنی کسی ’’نیک محنت‘‘جس میں جہاد جیسا ثواب مل جاتا ہو،تو یہی غنیمت ہے کہ جہاد کے ثواب کی طرح ان کو ثواب حاصل ہوگیا ،نہ یہ کہ خود بخود مجاہد بن گیا کہ جہاز کے قریب بھی نہ گیاہو اور پائلٹ بن گیا ۔آج کل تو اس مقدس لفظ (جہاد)کو کھیل تماشہ بنایا جارہا ہے ، کہتے ہیں کہ مچھر کے خلاف جہاد ،ملیریا کے خلاف جہاد،ناخواندگی کے خلاف جہاد، مہنگائی کے خلاف جہا وغیرہ

وغیرہ۔اور کبھی یہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ امریکا کے خلاف جہاد،روس کے خلاف جہاد ،ہندوستان کے خلاف جہاد ،ہر سرکش ،طاغوت ،کافر ،مشرک کے خلاف جہاد!‘‘۔

کتاب ’’کلمۃ الهادی الی سواء السبیل‘‘کے مؤلف مفتی محمد عیسیٰ خان مولانا سید احمد بجنوری کا یہ کلام نقل کرتے ہیں :

’’جہاد کی جو عظیم الشان عظمت و کرامت شریعت کی نظر میں ہے ،یہاں تک کہ جہاد میں نکلنے پر ایک نیکی کا ثواب سات لاکھ گنا تک وارد ہے ،وہ اس لئے ہے کہ ’’جہاد ‘‘کہتے ہیں کلمۃ اللہ کو بلند کلمۂ کفر وشرک کو سرنگوں کرنے کو ،نفس ونفیس کو خیرباد کہہ کر ہمیشہ کے لئے گھر سے نکلنے کو۔تب اس کا ثواب اتنا بڑا ہے کہ دوسری کسی عبادت کا ثواب اس قدر نہیں۔مثلاً جہاد کے وقت ایک روپیہ صرف کرنے کا ثواب سات لاکھ روپے کے برابر ہے۔اس زمانے میں عام طور سے ہماری ’’تبلیغی جماعت‘‘کے افراد علماء و عوام کے ذہن میں یہ بات آگئی ہے کہ تبلیغ کے لئے نکلنے پر بھی ہر نیکی کا ثواب سات لاکھ کے حساب سے ملے گا ،کیونکہ وہ بھی مثل جہاد کے ہے۔اوّل تو کسی کو شارع علیہ السلام کا منصب اختیار کرکے یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ فلاں عمل چونکہ فلاں عمل سے مشابہ ہے ،اس لئے ان دونوں کا ثواب برابر ہے۔پھر جب کہ قرآن و حدیث کے مجموعے مطالعے سے ’’جہادفی سبیل اللہ ‘‘اور دوسرے اعمال کا فرق زمین و آسمان کا معلوم ہوتا ہے۔ذروۃ سنامہ الجهاد۔جہاد دین کے سب اعمال میں سے چوٹی کا عمل ہے جس کی وجہ یہ بھی ہے کہ بغیر

اعلاء کلمۃ اللہ کے دوسرے اعمال کی ادائیگی کی شان نہایت گری ہوئی ہے‘‘۔[1]

کتاب ’’کلمة الھادی الی سواء السبیل‘‘کے مؤلف فرماتے ہیں:

’’(تبلیغی جماعت کے)یہ لوگ جب اپنے مروجہ تبلیغی سفر پر نکلتے ہیں تو یہ آیت پڑھتے ہیں : ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالاً وَجَاہِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾التوبہ:۴۱۔’’نکلو ہلکے پھلکے اور بھاری بوجھل اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے ‘‘۔گویا یہ بدر،احد ،غزوۂ تبوک کے مجاہد اور غازی جارہے ہیں(کہ)قرآنی آیات احادیث کی صریح نصوص جو قتال فی سبیل اللہ میں نازل ہوئی ہیں، ان کو اپنی مروجہ تبلیغ پر فِٹ کرتے ہیں ۔کہتے ہیں فلاں صحابی فلاں ملک میں دعوت و تبلیغ کے لئے گئے(تو)انہیں شہید کردیاگیا ۔مروجہ تبلیغ کا درجہ اور ثواب جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کے برابر سمجھتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کہتے ہیں کہ ’’قتال میں جانیں ضائع ہوتی ہیں ،تبلیغ کا انداز مثبت ہے اس میں جانیں تلف نہیں ہوتیں۔‘‘[2]

پس ثابت ہو اکہ ’’اللہ کے راستے کی محنت ‘‘یعنی جہاد فی سبیل اللہ کی ’’شرعی تعریف ‘‘سے مراد قتال فی سبیل اللہ یااس کے متعلقہ شعبہ جات ہیں مثلاً زبان اور مال کے ذریعے اس کو تقویت پہنچانا اوراس کی مدد ونصرت کرنا۔۔۔ لہٰذا کوئی سی بھی کوشش اور سعی جس کا ’’قتال فی سبیل اللہ ‘‘سے جانی، مالی اور زبانی طور پر کوئی تعلق نہ ہوتو اس کو ’’جہاد فی سبیل اللہ ‘‘کی شرعی تعریف میں شامل سمجھنا دین

---

[1] کلمة الھادی الی سواء السبیل،ص:۲۱۷۔
[2] کلمة الھادی الی سواء السبیل،ص:۲۱۶۔

اسلام کے بنیادی نصوص سے انحراف کے سوا کچھ نہیں ۔دیوبند مکتبہ فکر کے مشہور عالم دین مولانا محب النبی صاحب دارالعلوم مدنیہ ،لاہور کتاب ’’کلمۃ الھادی الی سواء السبیل‘‘ کی تفریظ میں فرماتے ہیں:

’’جہاد و قتال کا عمل جوکہ آپ ﷺاور صحابۂ کرامؓاور ان کی اتباع میں سلف صالحین کی سوچ اور عمل سے ایک ’’متعین ‘‘شرعی شکل اختیار کرچکا ہے ،اس کو یا اس عمل کے اجر کو کسی اور عمل پر منطبق کرنا دینی سمجھ کی کوتاہی اور تحریف جیسے جرم تک پہنچانے والی چیز ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر امتی کو ہرقسم کی گمراہی سے بچائے اور ہمیشہ خیر کی توفیق عطافرمائے اور دائمی قبولیت سے نوازے ،آمین وثم آمین‘‘۔[1]

مطلق جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق احادیثِ مبارکہ کے الفاظ میں ردو بدل کرنا:

ایک تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ وہ حادیث مبارکہ جن کاتعلق ہوتا ہی’’جہاد فی سبیل اللہ‘‘سے متعلق ہے تبلیغی جماعت کے اکابرین و احباب اس کو نقل کرتے ہوئے اکثر اس طرح سے بیان کرتے ہیں جس کا سننے والا واضح طور پر یہ مطلب لیتا ہے کہ ان احادیث کا تعلق جہاد وقتال سے نہیں بلکہ تبلیغ کے لئے گھر گھر دروازہ کھٹکھٹانے اور لوگوں کے سامنے التجائیں اور منتیں کرنے سے ہے۔اسی بات کو دیوبند مکتبہ فکر کے معروف عالم دین مولانا حسین شاہ صاحب سابق مدرس مدرسہ عربیہ خضدار بلوچستان کتاب ’’کلمۃ الھادی الی سواء السبیل‘‘کی تفریط میں لکھتے ہیں :

---

[1] کلمۃ الھادی الی سواء السبیل،ص:۳۴۔

’’کافی عرصے سے تبلیغی جماعت کو قریب سے دیکھنے اور سننے کا موقع ملاتو محسوس ہوا کہ ’’مروجہ تبلیغی جماعت‘‘اہل سنت وجماعت کے مسلک و مزاج اور اصولوں سے منحرف ہوتی جارہی ہے اور اس کی ’’غلط تاویلات‘‘اور تجاوزات کی نشان دہی کرنے والا کوئی نہیں۔ یااللہ !کوئی ایسا مجاہد پیدا فرماجو امت کو مسلمہ کو اس ’’بڑے فتنے ‘‘سے آگاہ کرسکے‘‘۔[1]

دیوبند مکتبہ فکر کے عالم کبیر مفتی رشید احمد لدھیانوی ؒاپنے ایک وعظ میں تبلیغی جماعت کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’ان کے بارے میں یہ خبر بھی مشہور ہے کہ ’’مسلح جہاد‘‘کے بارے میں قرآن و حدیث میں جو واضح ارشادات ہیں،یہ انہیں توڑ مروڑ کر تبلیغ پر چسپاں کررہے ہیں تو یہ قرآن میں تحریف ہے جوکہ’’صریح کفر‘‘ہے ‘‘۔[2]

چناچہ اس طرح کی غلط تاویلات سے متعلق ذیل میں چند مثالیں اور ان سے متعلق حدیث کا اصل متن پیش خدمت ہے ۔

❍ اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمد صاحب بہاولپوروالے کہتے ہیں:

’’اللہ کے نبی ﷺکے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا ۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اپنی امت کو سمجھاکر جاؤکہ آپ کی امت اگر اس(دعوت کی)ذمہ داری کو پوراکرتی ہے تو ان کی دعائیں ویسے قبول کرو ں گا جیسے نبیوں کی ہے!اور ان کی نصرت میں ویسے کروں گا جیسے میں نے

[1] كلمة الهادى الى سواء السبيل،ص:۲۲۔
[2] وعظ بعنوان ’’دینی جماعتیں‘‘،صفحہ ۵۳،ناشر الرشید۔

نبیوں کی ہے ! ان کو کفار پر ویسے غالب کروں گاجیسے میں نے نبیوں کو غالب کیا ہے! یہ وعدہ آپ کے مسلمان ہونے پر نہیں ہے، ’’صاحبِ دعوت‘‘ ہونے پر ہے اور دوسری حدیث میں پھر کہدیا کہ یہ بھی سمجھادیں کہ اگر اس (دعوت) کی ذمہ داری کو پورا نہیں کرتے تو کفار تم پر چڑھ دوڑیں گے ،تم یااللہ یااللہ پکارتے رہوگے اور میں تمہاری شکل دیکھنے کو تیار نہیں ، دعاء کہاں سے قبول کروں گا ؟اس کے بعد کیا چیز باقی رہ جاتی ہے،پھر بھی انسان کہے کہ ’’یہ بھی ہوسکتا ہے اور وہ بھی ہوسکتا ہے‘‘۔[1]

مولانا صاحب نے یہاں رسول اللہ ﷺ سے منسوب دو قول ذکر کئے ہیں جس پہلے قول کی نسبت وہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف کررہے ہیں حسبِ عادت نہ تو اس کی کوئی سند پیش کی اور نہ ہی اس سلسلے میں انہوں نے کسی کتاب کا حوالہ پیش کیا ۔اللہ علیم و خبیر ہی بہتر جانتاہے کہ انہوں نے درج بالا قول رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے کونسی کتبِ احادیث میں پڑھا ہے؟ اگر پڑھا ہے تو اس کو وضاحت ہواور اگر اس حدیث کا کوئی حوالہ نہیں ہے بلکہ اس قول کو ایسے ہی نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کردیا گیا ہے تو علماء کرام اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ کسی بھی قول کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنا جبکہ وہ آپ ﷺ کا قول نہ ہوتو حدیث کی روسے یہ دراصل اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانے کے مترادف ہے۔

البتہ احادیث مبارکہ میں جن لوگوں کی دعاؤں کی قبولیت کا ذکر ہے ان میں سے ایک ’’غازی فی سبیل اللہ ‘‘یعنی اللہ کی راہ میں لڑنے والا بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[1] کراچی اجتماع ۳۱اکتوبر ۲۰۱۰، بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔

((وفد اللّٰہ عزوجل ثلاثة الغازی والحاج والمعتمر))[1]

’’تین قسم کے وفود دراصل ’’اللہ کا وفد‘‘ ہیں،اللہ کے راہ میں لڑنے والا ،حاجی اور عمرہ کرنے والا‘‘۔

امام ابن حبانؒ اپنی کتاب ’’صحیح ابن حبان‘‘میں پہلے یہ باب باندھتے ہیں (ذکر البیان بأن المجاهدین من وفدا للّٰہ الذین دعاهم فأجابوہ)اور پھر یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

((الغازی فی سبیل اللّٰہ ،والحاج الی بیت اللّٰہ، والمعتمر وفد اللّٰہ دعاهم فأجابوہ))[2]

’’اللہ کی راہ میں لڑنے والا ،بیت اللہ کی طرف حج کا قصد کرنے والااور عمرہ کی نیت سے جانے والا (یہ تینوں)اللہ کا وفد ہیں جب یہ دعاء مانگتے ہیں اللہ ان کی دعاء فوراً قبول کرتا ہے‘‘۔

((الغازی فی سبیل اللّٰہ والحاج والمعتمر وفد اللّٰہ،دعاهم فأجابوہ وسألوہ فأعطاهم))[3]

’’اللہ کی راہ میں لڑنے والا ،بیت اللہ کی طرف حج کا قصد کرنے والااور عمرہ کی نیت سے جانے

---

[1] سنن النسائی،ج:۱۰،ص:۱۷۴،رقم الحدیث:۳۰۷۰۔کنز العمال،ج:۴ص:۲۸۲رقم الحدیث:۱۰۴۹۸۔المستدرک علی الصحیحین للحاکم،ج:۴ص:۱۵۵رقم الحدیث:۱۵۶۳هذ حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ ۔

[2] صحیح ابن حبان،ج:۱۹،ص:۲۳۲،رقم الحدیث:۴۶۹۷۔موارد الظمآن،ج:۱،ص:۲۴۰۔

[3] سنن ابن ماجة،ج:۸،ص:۴۴۰،رقم الحدیث:۲۸۸۴۔شعب الایمان للبهیقی،ج:۹ص:۱۴۶رقم الحدیث:۳۹۵۴۔مصنف ابن ابی شیبة،ج:۴،ص:۱۹۱۔کنز العمال،ج:۴ص:۳۰۲رقم الحدیث:۱۰۶۰۲۔

والا (یہ تینوں)اللہ کا وفد ہیں جب یہ دعاء مانگتے ہیں اللہ ان کی دعاء فوراً قبول کرتا ہے اور جو کچھ اس سے مانگتے ہیں وہ ان کو عطا کرتا ہے‘‘۔

((وفد اللّٰہ ثلا ثۃ الحاج والمعتمروالغازی،أولئک الذین یسألون اللّٰہ فیعطیھم سؤالھم))[1]

’’تین قسم کے وفود دراصل ’’اللہ کا وفد‘‘ہیں،اللہ کی راہ میں لڑنے والا ،حاجی اور عمرہ کرنے والا‘‘۔

اسی طرح بعض احادیث میں نبیوں اور رسولوں کی طرح دعائیں قبول کرنے اور ان کی طرح مددو نصرت کے جو وعدے وارد ہوئے ہیں وہ تو ہیں ہی ’’جہاد فی سبیل اللہ ‘‘کرنے والوں کے لئے ۔امام سرخسیؒحضرت علی ؓکی روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺنے فرمایا :

((لا تؤذوا المجاھدین!فان اللّٰہ تعالیٰ یغضب لھم کما یغضب للمرسلین،ویستجیب لھم کما یستجیب للمرسلین))[2]

’’مجاہدین کو اذیت نہ پہنچاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی خاطر اس طرح غضب ناک ہوتے ہیں جیسے وہ رسولوں کے لئے غضب ناک ہوتے ہیں ،اور ان کی دعائیں اس طرح قبول کرتے ہیں جیسے رسولوں کی دعا ئیں قبول فرماتے ہیں ‘‘۔

مولانا صاحب نے دوسرے قول کی نسبت رسول اللہ کی طرف کی ہے اس کی بھی انہوں نے کوئی سند یا

[1] شعب الایمان للبیھقی،ج:۹ص:۱۴۴رقم الحدیث:۳۹۵۲۔
[2] شرح السیر الکبیر،ج:۱،ص:۲۶ ،باب فی فضیلۃ الرباط۔

حوالہ ذکر نہیں کیا ۔ کفار کی طرف سے مسلمانوں پر چڑھ دوڑنے اورمسلمانوں پر ذلت ومسکنت تھوپنے کا ذکراحادیث رسول ﷺمیں ضرور موجود ہے لیکن جو وجہ اور سبب مولانا صاحب بیان کررہے ہیں تو معلوم حد تک کہیں اس کا کسی حدیث میں ذکر نہیں ،اگر مولانا صاحب کے پاس اس کا حوالہ یا سند ہے تو اس کوضرور پیش کریں ۔جو وجوہات اور اسباب رسول اللہ ﷺنے کفار کے مسلمانوں پر چڑھ دوڑنے کے بیان کئے ہیں وہ یا تو ''موت سےنفرت''............''قتال فی سبیل اللہ سے نفرت''............یا ''اللہ کے قانون کے بجائے غیر اللہ کے قوانین کا نفاذ''شامل ہیں۔رسول اللہ ﷺنے فرمایا:

'' قریب ہے کہ (کفر کی)قومیں تمہارے خلاف جنگ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دے کر بلائیں گی جس طرح بھوکے ایک دوسرے کو دستر خوان پر دعوت دے کر بلاتے ہیں''۔اس پر ایک پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا اس وقت ایسا ہماری قلتِ تعداد کی وجہ سے ہوگا؟ آپﷺنے فرمایا :

''(نہیں)بلکہ اس وقت تو تم زیادہ تعداد میں ہوگے ،لیکن تم سیلابی پانی کے جھاگ کی طرح ہوگے۔اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے ضرور ہی تمہاری ہیبت ختم کردیں گے اور تمہارے دلوں میں ''وھن''ڈال دیں گے''تو پوچھنے والے نے پوچھا :یارسول اللہ!یہ وھن کیا ہوگا؟ فرمایا:

((حُبُ الدُّنْیَا وَکَرَاهِیَةُ الْمَوْتِ))[1]

''دنیا کی محبت اور موت کو ناپسند کرنا '' ۔

---

[1] ابو داود،ج:۱۱،ص:۳۷۱،رقم الحدیث:۳۷۴۵۔

اسی حدیث کے آخری الفاظ دوسری روایات یوں بھی ملتے ہیں :

صحابہ نے پوچھا :یارسول اللہ!یہ وھن کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا :

((حُبُّکُمُ الدُّنْیَا وَکَرَاھِیَتُکُمُ الْقِتَالَ))[1]

’’تمہارا دنیا سے محبت کرنا ’’قتال‘‘ کو ناپسند کرنا ہے‘‘

ایک حدیث میں کفار کے چڑھ آنے کی وجہ حکمرانوں کی طرف سے اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر غیر اللہ کے قوانین کا نفاذ کرنا ہے:

((کیف انتم اذا وقعت فیکم وأعوذ ان تکون فیکم أو تدر کوھن............وما حکم أمرائھم بغیر ماانزل اللّٰہ الا سلط علیھم عدوھم))[2]

’’اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب پانچ چیزیں تم میں وقوع پذیر ہوں گی اور میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ یہ تم میں پائی جائیں یا تم انہیں لوگوں میں پاؤ............(ان میں چوتھی یہ ہے کہ)کسی قوم کے حکمران اللہ کی نازل کردہ شریعت سے اعراض کرتے ہوئے دیگر قوانین کوحاکم بناتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں(یعنی کفار)کو ان پر مسلط کردیتا ہے اور وہ دشمن ان کی ملکیت سے موجود بعض (قیمتی)چیزیں ان سے چھین لیتا ہے‘‘۔

---

[1] مسنداحمد،ج۔۱۷،ص:۳۹۸،رقم الحدیث۔۸۳۵۶۔کنزالعمال،ج:۳،ص:۲۳۵،رقم الحدیث۔۶۳۱۹۔مجمع الزوائد،ج:۷،ص:۲۸۷واسنادہ صحیح۔

[2] شعب الایمان للبیھقی،ج:۷،ص:۳۱۵،رقم:۳۱۶۴۔کنز العمال،ج:۱۶،ص:۸۱۔

❍ اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمد صاحب بہاولپوروالے ایک حدیث کو یوں نقل کرتے ہیں :

’’اس کے لئے ایک واقعہ عرض کردیتا ہوں اس سے آپ کو بات سمجھ آجائے گی۔ ایک صحابی گزر رہے تھے کسی جگہ ،دیکھا کہ ایک پہاڑی ہے ، اس کے اندر ایک چشمہ ہے اور کچھ سبزہ ہے اور بڑی اچھی اور پسندیدہ جگہ ہے تو دل میں خیال آیاکہ ایسی جگہ پر بیٹھ کر اگر اللہ کی عبادت کی جائے تو یہ بہت بڑی نعمت ہے !میں اور آپ ہوتے تو جاکر بیٹھ جاتے مگر وہ صحابہ تھے،انہوں نے اپنی طبیعت پر بات نہیں کی بلکہ حضور اکرم ﷺکے سامنے آکر پیش کیا کہ اس طرح سے میں نے دیکھا ہے ،میں وہاں پر مستقل بیٹھ کر عبادت کرنا چاہتا ہوں،دنیاسے کوئی واسطہ نہیں ،میں ہوں گا اور اللہ ہوں گے،یہ ساری چیز انہوں نے رکھی ،حضور ﷺنے فرمایا کہ ’’اللہ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام’’پھرنا‘‘پہاڑ کی ستر برس کی عبادت سے زیادہ اوپر(افضل)ہے ‘‘،میں اورآپ ہوتے تو اپنا ارادہ نہ بدلتے، انہوں نے بدل دیا ،انہوں نے کہا ٹھیک ہے‘‘۔[1]

اب اصل حدیث ملاحظہ فرمائیں:

((عن ابی ہریرۃؓان رجلا من اصحاب النبیﷺمر بشعب فیہ عیینۃ ماء عذب،فأعجبتہ طیبۃ،فقال لوأقمت فی ھذا الشعب واعتزلت الناس والعمل قال حتی أستامر رسول اللّٰہﷺفذکر ذلک للنبی ﷺفقال:’’لا تفعل فان مقام احدکم فی سبیل اللّٰہ أفضل من صلا تہ فی اھلہ ستین عاماً،ألا تحبون

[1] کراچی اجتماع ،۲۹جولائی ،۲۰۰۷،بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔

أن یغفر اللّٰہ لکم ویدخلکم الجنۃ،اغزوا فی سبیل اللّٰہ، من قاتل فی سبیل اللّٰہ فواق ناقۃ وجبت لہ الجنة))[1]

’’حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کے صحابہ میں سے ایک شخص کا گزر ایک ایسی وادی پر ہوا جہاں ٹھنڈے میٹھے پانی ایک چشمہ تھا،اس شخص نے کہا کاش!میں لوگوں سے الگ تھلگ ہوکر اس گھاٹی میں رہتا پھر کہا کہ یہ قدم رسول اللہ سے اجازت کے بغیر نہیں اٹھاؤں گا چنانچہ انہوں نے آکر رسول اللہ سے اجازت لینے کی درخواست کی تو رسول اللہ نے فرمایا کہ ایسا مت کرو کیونکہ تم میں سے کسی ایک کامیدان جہاد میں رہنا گھر کی ستر سالہ نمازوں سے زیادہ افضل ہے،کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کرکے جنت میں داخل فرمادے؟پس اللہ کے راستے میں لڑوکیونکہ جو شخص اللہ کے راستے میں اتنی دیر میں لڑا جتنی دیر اونٹنی کے وقفے کے دودھ نکالنے میں لگتی ہے تو اس شخص کے لئے جنت واجب ہوگئی ‘‘۔

درج بالا حدیث کے متن کو پڑھنے کے بعد دو باتیں نوٹ کرنے کی ہیں۔ اول یہ کہ مولانا صاحب نے اللہ کے رسول کے اِرشاد میں صبح یا شام گزارنے کا جو ارشادخالصتاً قتال یعنی جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق تھا اس کو اپنے ’’مروجہ پھرنے‘‘پر منطبق کردیا اور دوم یہ کہ اس حدیث کے آخری جملوں سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اصطلاحی معنوں میں ’’فی سبیل اللہ ‘‘یعنی’’اللہ کے راستہ‘‘سے رسول اللہ مطلق جہاد و قتال ہی بیان کرتے تھے اور صحابہ کرام بھی اس سے جہاد وقتال ہی مراد لیتے تھے۔یہی بات ایک اور حدیث

[1] شعب الایمان للبیہقی،ج:۹ص:۲۵۸رقم الحدیث:۴۰۶۵۔

سے اس طرح واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا :

((ان الجهاد فی سبیل اللّٰہ والایمان باللّٰہ افضل الاعمال،قال فقام رجل فقال:یارسول اللّٰہ!أرأیت ان قتلت فی سبیل اللّٰہ أتکفر عنی خطایاي کلها؟ فقال رسول اللّٰہ ﷺ:نعم))[1]

’’اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے راستے میں جہاد تمام اعمال سے افضل ہے ۔اس وقت ایک شخص نے کھڑے ہوکر کہا کہ یارسول اللہ!مجھے بتلادیجئے کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارا جاؤں تومیرے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ،ہاں!‘‘۔

- مبلغ تبلیغی جماعت مولانا طارق جمیل صاحب ایک حدیث کا عربی متن تو پورا بیان کرتے ہیں لیکن اس کا ترجمہ عامۃ الناس کے سامنے یوں بیان کرتے ہیں :

’’کیا یہ ممکن ہے کہ یہ ہوجائے کہ ہر گھر،ہر دَر،ہر چوکھٹ پر کلمہ پہنچ جائے ہے۔ہاں!ایک اورحدیث سنو!یافاطمۃلا تبکی فان اللّٰہ بعث اباک علی امر لایبقی علی ظهر الارض بیت مدر ولا وبر ولا شعر الا أدخلہ اللّٰہ بہ عزا أو ذلا حتی یبلغ حیث یبلغ اللیل[2]............’’اے میری بیٹی فاطمہ!ایک دن آئے گا کہ تیرے باپ کاکلمہ اس دھرتی کے ہر کچے پکے گھر میں داخل ہوجائے گا،ہر کھال بال کے خیمے میں داخل ہوجائے گا اور تیرے باپ کاکلمہ وہاں تک جائے گا جہاں تک

---

[1] صحیح مسلم،ج:۹ص:۴۶۸،رقم الحدیث:۳۴۹۷۔

[2] کنز العمال،ج:۱،ص:۳۰۵،رقم الحدیث:۱۴۴۸۔المستدرک علی الصحیحین للحاکم،ج:۱۱ص:۴۵رقم الحدیث:۴۷۲۰هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔

رات جاتی ہے‘‘اور رات کہاں تک جاتی ہے ؟ ساری کائنات میں جاتی ہے تو لہذا یہ بات ثابت ہوگئی اور پتھر پر لکیر میرے نبی کافرمان غلط نہیں ہوسکتا کہ یہ کلمہ سارے عالم میں گونجے گا !پہنچائے گا کون؟یہ امت،یہ امت ،یہ وہاڑی والے،یہ ملتان والے ،یہ خانیوال والے ،یہ عرب یہ عجم،ہم ذمہ دار ہیں !اب کوئی نہیں آئے گا‘‘۔[1]

مولانا طارق جمیل صاحب نے شکر ہے اس حدیث کاعربی متن تو پورا بیان کیا لیکن اس کے ترجمے میں ان سے ایک نہایت ہی اہم بات حذف ہوگئی،اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان سے یہ بات بھولے سے حذف ہوگئی یا ازخود انہوں کردی کیونکہ ا س بات سے اظہار ہی اس حکم شرعی یعنی ’’جہاد فی سبیل اللہ ‘‘کے بارے میں ہورہا تھا جس کو کھل کر بیان کرنے سے بھی نہ جانے ان اکابرین کو کیوں تکلیف سی محسوس ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ دین اسلام ہر کچے پکے گھر اور بال کھال کے خیمے میں داخل ہوجائے گا ،لیکن ہوگا کیسے ؟ اس کو وہ حذف کرگئے اور پھراس حدیث کو اپنی ’’مروجہ دعوت و تبلیغ‘‘کی فضیلت و دلیل کے طور پر پیش کرنے لگے۔جن الفاظ کو انہوں نے حذف کیا اپنے ترجمے میں ،وہ ہیں :

((عزا أو ذلا))

’’یعنی اس گھروالے کو عزت دے کر یا ذلیل کرکے‘‘۔

یعنی اسلام صرف میٹھے میٹھے بول بو لنے ،فضائل کی تعلیم دینے اور گھر گھر جاکر صرف پیارو محبت سے بات کرنے سے ہرگھر میں داخل نہیں ہوجائے گا اور

[1] ’’جنت تبلیغ کے سائے میں ‘‘بمقام وہاڑی صوبہ پنجاب۔یکم اگست،۲۰۰۲ء۔

جیساکہ آج کل مولانا صاحب مختلف ٹی وی چینلز پر آن کر یہ بات بیان کررہے ہیں کہ ’’ہماری جماعتیں تو صرف اسلام کے پیار ومحبت اور رواداری کا درس لے کر پوری دنیا میں پھر رہی ہیں ‘‘۔ حدیث کے مذکورہ بالا جملہ سے جس کو انہوں نے اپنے ترجمہ میں حذف کردیا اُس سے یہ بات بالکل واضح ہورہی ہے کہ اسلام داخل ہوگا یا تو گھر والے کو عزت دے کر یعنی وہ اسلام قبول کرلے گا یا پھر ذلیل کرکے یعنی اگر وہ قبول نہیں کرے گا تو اس کے لئے تلوار ہی کافی ہوگی جو اس کو ’’جزیہ‘‘دینے پر آمادہ کردے گی یا اس کاکام تمام کردے گی۔ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں اسلام کے غلبہ کی جو نوید سنائی گئی ہے اس کی تکمیل ہوگی ہی حضرت عیسیٰ ؑکے نزول کے بعد جبکہ آپؑمسلمانوں کے ساتھ حضرت مہدی کی قیادت میں گھمسان کے معرکوں میں شریک ہوں گے جس کو احادیث میں ’’الملحمة العظمیٰ‘‘اور ’’الملحمة ا لکبریٰ‘‘ کہاگیاہے۔ اور اس کے بعد آپ ؑ’’جزیہ ‘‘معطل کردیں گے اور انسانیت کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جائے گا یا تو اسلام قبول کرلے ورنہ تلوار کا گھائو کھانے کے لئے تیار ہوجائے،اور یہ بات احادیث صحیحہ و متواترہ سے ثابت ہے جس کا بیان یہاں ممکن نہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں سے بغض و عداوت کا کھلم کھلا اظہار:

بات صرف یہیں تک محدود نہیں کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین ’’جہاد فی سبیل اللہ ‘‘کی’’شرعی اصطلاح‘‘ کا اطلاق اپنی مروجہ ’’دعوت و تبلیغ ‘‘پر کرتے ہیں اور اس کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق احادیث کو اس طرح حذف و قذف کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ اس کا رخ جہاد فی سبیل اللہ کے شرعی معانی یعنی ’’قتال فی سبیل اللہ ‘‘سے موڑ کر اپنی

مروجہ کوششوں کی طرف کردیتے ہیں جن کا جہاد سے کسی بھی قسم کاتعلق نہیں ہوتابلکہ اب تو اس سے آگے بڑھ کر اکابرین تبلیغی جماعت جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے سے کھلم کھلا بغض و عدوات کا اظہار کرتے ہیں ،ان ہی کو مسلمانوں کی ذلت و مسکنت کا ذمہ دار ٹہراتے ہیں،ان کو بیوقوف اور بے عقل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور معاذ اللہ ان کو اللہ کے مقررکردہ دین کے مخالف کے طور پر عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کرتے ہیں ۔اسی حقیقت کو مکتبہ دیوبند کے معروف عالم دین مولانا سید عبد المالک شاہ صاحب کتاب ’’کلمۃ الھادی الی سواء السبیل ‘‘کی تفریط میں یوں بیان کرتے ہیں :

’’لیکن اب اس(تبلیغی)جماعت کے بعض اہم اکابر نے اجتماعی طور پر مشن کے انداز میں بعض صریح احکامات اور قرآن کی ’’غلط تاویلات‘‘اور جہاد جیسے اہم ’’رکن اسلام‘‘کے خلاف شعوری یا غیر شعوری طور پر ہرزہ سرائی شروع کی ہے...........(اسی طرح)علامہ محمد احمدکا صراحتاً آیات جہاد کی غلط تاویل کرنااور بطور ’’گروہ ‘‘کے، جماعت کے بزرگوں کا اس طرح کا رویہ اختیار کرنا سخت قابل گرفت ہے‘‘۔[1]

اس سلسلہ میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمد بہاولپور والے صاحب کہتے ہیں :

’’ہم اللہ سے ضرب لگوانے کو تیار نہیں۔لنگوٹ کس کس کر کود جاتے ہیں کہ ’’ہم یہ کردیں گے اور ہم وہ کردیں گے‘‘۔تو اللہ بھی کہتا ہے کرو ،اس لئے ہر جگہ مار کھاکر آتے ہیں ۔میری

[1] کلمۃ الھادی الی سواء السبیل،ص:۴۳،۴۴۔

> بات کو نہیں (بلکہ)سوچواس بات کو،عقل دی ہے اللہ نے۔اس وقت جتنے ''میدانوں ''میں اترے ہوئے ہیں مسلمان،تاریخ انسانی میں کبھی اتنے میدان میں نہیں اترے،پوری تاریخ دیکھ لیں اور جتنی مار اس وقت پڑرہی ہے مسلمانوں پر کبھی بھی نہیں پڑھی۔عقل مند ہو، سوچواس بات کو ''۔[1]

> ''اور(آج)ہم ایسے رحیم وکریم ہیں کافروں پر کہ ہم کہتے ہیں کہ ہم تم سے مقابلہ کرلیں گے (لیکن تم پر) اللہ کی مار نہیں پڑوانا چاہتے ۔ کیونکہ اللہ کی مار تو جب پڑے گی جب ہم ''دعوت''دیں گے اور ہم دعوت دیتے ہی نہیں ،اس واسطے اللہ کی مار کیسے آئے گی؟اس لئے میں کہاکرتا ہوں کہ اللہ نے عقل و سمجھ دی ہے کہ اس وقت جتنے ''مجاہدین''ہیں ،دنیا میں کبھی بھی اتنے نہیں ہوئے،اور جتنی مار اس وقت پڑرہی ہے اتنی کبھی نہیں پڑی۔سوچوتو سہی کہ قصہ کیا ہے آخر ؟بدر میں ایک ہتھیار اور ایک تلوار نہیں اور وہ (کفار)تین گنا ہیں اور ان پر غالب ہیں اور یہاں ساری مار پڑ رہی ہے۔اللہ نے عقل دی ہے سوچنا چاہیے !ایسے ہی نہیں کہ (لنگوٹ کس کس)کے چلتے چلے جائیں''۔[2]

چونکہ تبلیغی اکابرین کے نزدیک دین کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ نے صرف ایک نظام بنایا ہے جس کا نا م ان کے نزدیک ''نظام دعوت و تبلیغ''ہے جس میں جہاد فی سبیل اللہ اپنے شرعی معانی کے ساتھ شامل نہیں ۔

---

[1] کراچی اجتماع ،۱۴اگست ۲۰۰۸،بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔

[2] اسلام آباد اجتماع ،اگست ۲۰۰۹،بحوالہ سرحد اسلامی کیسٹ ہاؤس ،راولپنڈی ۔

لہٰذا جومسلمان بھی دین کے قیام یعنی شریعت کے نفاذ کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کو اختیار کرتے ہوئے اپنی جانیں نچھاور کررہے ہیں ان کی شہادتوں کو بیکار اور رائیگاں قرار دیتے ہوئے ان کو جہنم کا بھی حقدار سمجھتے ہیں۔اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمدصاحب بہاولپوروالے کہتے ہیں :

’’یہ جو لوگ کہتے رہتے ہیں نا کہ اللہ کی مدد کیوں نہیں آتی ؟آپ نے اللہ کی مدد کا دروازہ ہی بند کردیا ہے!مدد کوئی کافر سے ’’لڑنے ‘‘پر تھوڑی آتی ہے ،مدد تو اس پر کہی تھی کہ ’’دعوت والوں‘‘کے مقابلے پر کافر آئے گا تو مار کھائے گا‘‘۔[1]

’’ہم ....بھاگتے پھرتے ہیں ،مار کھاکر روز آتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ کیا ہوگیا؟ہونا تویہی ہے جو ہورہا ہے۔جب اللہ سے نہیں پوچھیں گے اور اپنی ترتیب سے چلیں گے ، اپنی اسکیم بنائیں گے تو مار ہی کھائیں اور کیا کریں گے!تو میں اس لئے عرض کررہا ہوں کہ یہ وعدہ کہ کافر مقابلے پرآکر بچ نہیں سکتا صرف ’’اصحابِ دعوت‘‘سے کیا ہے‘‘۔[2]

’’اب اللہ کے دین پر چلنے والے بھی دو قسم کے ہیں ۔ایک وہ ہیں جو اللہ کے دین کو اپنی طبیعت کے ماتحت رکھ کر چلتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو اللہ کے دین کے معاملے میں اللہ کی مرضی اور منشاء کو سامنے رکھ کر چلتے ہیں۔ جو اپنی طبیعت کے مطابق دین پر چلنے والے ہیں، ان کو کچھ نہیں ملے گا ،یہ خالی ہاتھ

[1] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۷ء ۔بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔
[2] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۷ء ۔بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔

ہیں ،ساری عمر مرتے رہے کچھ بھی نہیں ہوگا‘‘۔[1]

’’اس لئے قیامت میں ویسے نہیں پونچھیں گے؟کیا کہیں گے؟تیرے سامنے میں نے ساری چیز کھول کررکھ دی تھی پھر تو نے میرے نظام (دعوت و تبلیغ)کو دیکھا کیوں نہیں !مجھ سے پوچھا کیوں نہیں ؟کیوں چلا اپنی عقل سے دین پر !یہ عقل والا دین میرے یہاں قبول نہیں ۔اس وجہ سے پتا نہیں کتنے لوگ آئیں گے اس قسم کے جو یہ سمجھ کر آئیں گے کہ اللہ کے دین کے لئے کررہے ہیں اور کہا جائے گا کہ ان کو پکڑ کر لے جاؤں (جہنم میں)!فرشتے پوچھیں گے کہ بات کیا ہوئی ہے؟مرتے کھپتے رہے اور اللہ کے دین پر چلتے رہے لیکن اپنی مرضی سے چلتے تھے ۔تو یہ مرضی والا دین یہاں نہیں چلتا،اللہ کی مرضی والا دین چلتا ہے‘‘۔[2]

مولانا طارق جمیل صاحب کہتے ہیں:

’’اگر امریکہ حملہ نہ کرتا تو میں بصیرت کے ساتھ بتلاتا ہوں کہ طالبان حکومت ناکامی کی طرف جارہی تھی،اس نے ناکام ہوجانا تھا۔میرے پاس مفتی نظام الدین شامزئی آئے تھے اور مفتی جمیل بھی ،دونوں شہید ہوگئے ہیں۔ دونوں سرپرستِ اعلیٰ تھے ان (طالبان)کے ۔تو وہ کہنے لگے کہ ’’حکمت‘‘نام کی کوئی چیز نہیں تھی ان میں ۔انتہائی ناعاقبت اندیش لوگ تھے ۔صرف جذبہ تھا ،سمجھ کوئی نہ تھی...........’’(کسی

[1] کراچی اجتماع ۔۲۹جولائی ،۲۰۰۷۔بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔
[2] کراچی اجتماع ۔۲۹جولائی ،۲۰۰۷۔بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔

سائل کے جواب میں کہا)نہیں!رائے ونڈ والوں سے کوئی(مشورہ) نہیں کیا تھا ،نہ رائے ونڈ والوں نے مشورہ دیا ہےبس اجتماع میں ان کا وفد آتا تھا،انہوں نے کسی کا مشورہ نہیں مانا ۔ مفتی رفیع عثمانی صاحب خود چل کرکر (ملاعمرکے پاس)گئے تو ان کی بھی نہیں مانی۔ مفتی نظام الدین گئے اور وہ کہتے ہیں کہ’’ملاعمر کو بیٹھ کر میں نے ڈانٹا(پھر بھی انہوں نے)نہیں مانا‘‘۔

ایک اور جگہ یوں کہتے ہیں:

’’مولانااحمد صاحب ہمارے ساتھ ۱۵ دن لگاتے ہیں ہر مہینے۔وہ کہنے لگے ،میں ایک دفعہ گیا افغانستان، طالبان کے مورچے دیکھے تو میں نے کہا ’’بے وقوفو!‘‘تم مارے جاؤں گے،تمہارا ایک مورچہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔تو میں نے ملاعمر سے کہا ،میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں ،صرف آپ کو تھوڑی تربیت دے دوں ۔انہوں نے کہا ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے،ہمیں اللہ ہی کافی ہے ، (یہ)کیسی حماقت کی بات ہے‘‘۔[1]

یہ تو چند جھلکیاں ہیں، جوتبلیغی جماعت کے اکابرین کی جہا د فی سبیل اللہ کرنے والوں کے متعلق زبان پر آگئیں باقی جو کچھ دلوں میں ہوگا اس کو تو اللہ ہی جانتا ہے ۔کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ:

﴿ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾[2]

[1] کلمة الهادی الی سواء السبیل‘‘ص:۱۹۱۔
[2] آل عمران:۱۱۸۔

’’یہ ان کا بغض ہے جو کہ ان کے منہ سے ظاہر ہورہا ہے اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہے وہ اس سے بہت بڑھ کر ہے‘‘۔

چنانچہ اس ضمن میں ہم صرف چند احادیث نقل کردیتے ہیں جوکہ اللہ کی راہ میں لڑنے والوں سے متعلق ہی نہیں بلکہ اگر ان کے گھر والوں کو بھی کوئی اذیت یا تکلیف، چاہے وہ جسمانی ہو یا ذہنی ،پہنچائے تو اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کیا کیا وعیدیں سنائی ہیں ۔

((حرمة نساء المجاهدين على القاعدين كحرمة امهاتهم ومامن رجل من القاعدين يخلف رجلا من المجاهدين فى اهله فيخونه فيهم الا وقف له يوم القيامة فيأخذ من عمله ماشاء فماظنكم))[1]

’’(جہاد سے)پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں کے لئے مجاہدین کی بیویاں ایسی ہی لائق احترام ہیں جیسے ان کی اپنی مائیں ان کے لئے لائق احترام ہیں۔اور جو شخص بھی کسی مجاہد کی عدم موجودگی میں اس کے گھر میں خیانت کا مرتکب ہوگا تو اسے قیامت کے دن لازماً اس مجاہد کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اوروہ اس کی نیکیوں میں سے جتنی چاہے گا لے لے گا ،تو تمہارا کیا خیال ہے(کہ کچھ باقی چھوڑے گا)‘‘۔

اور بعض روایات میں اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

[1] صحیح مسلم,ج:۹،ص:۴۹۳،رقم الحدیث:۳۵۱۵۔سنن ابی داود,ج:۷،ص:۵،رقم الحدیث:۲۱۳۵۔سنن النسائی،،ج:۱۰،ص:۲۷۶،رقم الحدیث:۳۱۳۸۔مسند احمد,ج۔۴۶،ص:۴۵۱،رقم الحدیث:۲۱۸۹۹۔

((فماظنکم ماأری یدع من حسناتہ شیئاً))[2]

’’تمہارا کیا گمان ہے کہ وہ کوئی نیکی بھی باقی چھوڑے گا‘‘۔

درج بالا حدیث کی شرح میں مشہور شارح حدیث ملاعلی قاری حنفی ؒلکھتے ہیں کہ یہاں ’’مجاہدین ‘‘سے مراد ہے الغزاۃ الغائبین یعنی ’’وہ لوگ جو (کفار سے)جنگ کرنے کے لئے اپنے گھر چھوڑ کرنکلے ہوں ‘‘۔ اسی طرح یہاں ’’قاعدین ‘‘سے مراد ہے الرجال المتخلفین عن عذر یعنی ’’وہ لوگ جو کسی شرعی عذر کی وجہ سے پیچھے رکے ہوں‘‘۔ پھر آپؒمجاہدین کے حقوق یوں بیان کرتے ہیں پیچھے رکنے والوں پر :

((فیجب علیھم اداء خدمتھن، والقیام بأمر معیشتھن، وحفظ حرمتھن،ورعایۃ حشمتھن))[2]

’’پس ان پر واجب ہے کہ وہ مجاہدین کی عورتوں کی خدمت کریں ،ان کے دنیاوی معاملات کی دیکھ بھال کریں، ان کی عزت وآبرو کی حفاظت کریں اور ان کے ’’وقار‘‘کا خیال رکھیں‘‘۔

استاذ الحدیث جامعہ بنوری ٹائون، مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

’’سوچنے کا مقام ہے کہ جن لوگوں کے گھروں کی بیویوں اور بچوں کا یہ احترام ہے تو خود ان (مجاہدین)کا کتنا بڑا احترام ہے اور جو لوگ برائی

[2] صحیح ابن حبان،ج:۱۹،ص:۲۷۴،رقم الحدیث:۴۷۱۸۔کنز العمال،ج:۴،ص:۲۹۸،رقم الحدیث:۱۰۵۷۶۔سنن النسائی،ج:۱۰،ص:۲۷۹،رقم الحدیث:۳۱۴۰۔

[2] شرح مسند ابی حنیفۃ للملا علی القاری۔

> راست خود مجاہدین کا مذاق اڑاتے ہیں ،انہیں ستاتے ہیں ،ان کو حقیر سمجھتے ہیں، ان سے جھگڑتے ہیں،ان کی غیبت اور چغلی کھاتے ہیں ،ان کے خلاف خفیہ سازشیں کرتے ہیں اور خصوصاً امریکہ بہادر کو خوش کرنے کے لئے ان کو گرفتار کرتے ہیں ،انہیں دہشت گرد بتاتے ہیں ،ان کے گھروں پر چھاپے مارتے ہیں اور ان کی ملکی شہریت کو ختم کرکے ملک بدر کرتے ہیں ،ان ظالموں کا کیا حشر ہوگا ؟میں تو سمجھتا ہوں کہ مجاہدین کو ستانے والے بڑے ہی ظالم ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت جلد ان سے انتقام لیتا ہے‘‘۔[1]

اس موضوع پر مزید کلام کرنے کی اب شاید ضرورت نہیں لیکن ایک بات کی وضاحت ضروری ہے جوکہ مولانا طارق جمیل صاحب نے ’’مفتی نظام الدین شامزئی ؒ‘‘حوالے سے کی ہے کہ انہوں نے امارت اسلامیہ افغانستان کے مجاہدین کو ’’ناسمجھ اور انتہائی ناعاقبت اندیش اور حکمت سے عاری‘‘قرار دیا۔ چونکہ مولانا صاحب مفتی صاحب سے منسوب یہ بیان ان کی شہادت کے بعد دے رہے ہیں لہٰذا ہم مفتی صاحب سے حسن ظن رکھتے ہوئے ان سے منسوب اس بیان کو کسی صورت تسلیم نہیں کرتے اور اس کو ہم مفتی صاحب پر بہتان اور افتراء سمجھتے ہیں کیونکہ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ ہی پاکستان کی وہ واحد شخصیت تھی کہ جنہوں نے9\11کے بعد افغانستان پر امریکی حملہ کے بعداپنے نام کے لیٹر پیڈ پر ایک فتویٰ جاری فرمایا جوکہ ملک کے تمام اخبارات میں جلی حروف کے ساتھ شائع ہوا اور جس کو دلیل کے طور عالم عرب کے علماء حق نے اپنے فتاویٰ نقل کیا۔اس فتویٰ کے الفاظ یہ ہیں :

---

[1] اقتباس از ’’دعوتِ جہاد‘‘کامل ،ص:۲۲۲۔

’’امریکہ نے امارتِ اسلامی افغانستان پر حملہ کردیا ہے اب مسلمانوں کیلئے شرعی احکام مندرجہ ذیل ہیں۔

❶ تمام مسلمانوں پر جہاد فرض ہوگیا ہے کیونکہ موجودہ صورتحال میں صرف افغانستان کے آس پاس مسلمان امارتِ اسلامی افغانستان کا دفاع نہیں کرسکتے ہیں اور یہودیوں اور امریکہ کا اصل ہدف امارتِ اسلامی افغانستان کو ختم کرنا ہے ۔دارالاسلام کی حفاظت اس صورت میں تمام مسلمانوں کا شرعی فریضہ ہے ۔

❷ جو مسلمانوں چاہے اس کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو اور کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے سے وابستہ ہووہ اگر اس صلیبی جنگ میں افغانستان کے مسلمانوں یا امارتِ اسلامی افغانستان کی اسلامی حکومت کے خلاف استعمال ہوگا وہ مسلمان نہیں رہے گا۔

❸ اللہ تعالی کے احکام کے خلاف کوئی بھی مسلمان حکمران اگر حکم دیں اور اپنے ماتحت لوگوں کو اسلامی حکومت کے ختم کرنے کیلئے استعمال کرنا چاہے تو ماتحت لوگوں کیلئے اس طرح کے غیر شرعی احکام ماننا جائز نہیں ہے بلکہ ان احکام کی خلاف ورزی ضروری ہوگی۔

❹ اسلامی ممالک کے جتنے حکمران اس صلیبی جنگ میں امریکہ کا ساتھ دے رہے ہیں اور اپنی زمین، وسائل اور معلومات ان کو فراہم کررہے ہیں وہ مسلمان پر حکمرانی کے حق سے محروم ہوچکے ہیں تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان حکمرانوں کو اقتدار سے محروم کریں چاہے اس کیلئے جو بھی طریقہ استعمال کیا جائے ۔

❺ افغانستان کے مسلمان مجاہدین کے ساتھ جانی و مالی اور ہر قسم کی ممکن مدد مسلمانوں پر فرض ہے لہٰذا جو مسلمان وہاں جا کر ان کے شانہ بشانہ لڑسکتے ہیں وہ وہاں جاکر شرکت کرلیں اور جو مسلمان مالی تعاون کرسکتے ہیں وہ مالی تعاون فرمائے۔ اللہ تعالیٰ مصیبت اس گھڑی میں مسلمانوں کا حامی و ناصر ہو۔

اس فتویٰ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کرکے دوسرے مسلمانوں تک پہنچائیے۔

فقط و سلام
مفتی نظام الدین شامزئی
(مہرو دستخط)

بہرحال یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ ۲۰۰۴ء میں مفتی صاحب کی شہادت کی وجہ بھی جہاد کے حق میں دیا گیا ایک فتویٰ ہی بنا تھا۔

پس ذہن میں یہ حدیث تازہ رہے کہ امام سرخسیؒ حضرت علیؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((لا تؤذوا المجاهدين !فان اللّٰہ تعالیٰ يغضب لهم كما يغضب للمرسلين،ويستجيب لهم كما يستجيب للمرسلين۔ومن آذی مجاهداً فی اهلہ فما واہ النارولايخرجہ منہ الا شفاعة المجاهد لہ ان فعل ذلک))[1]

’’مجاہدین کو اذیت نہ پہنچاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی خاطر اس طرح غضب ناک ہوتے ہیں جیسے وہ رسولوں کے لئے غضب ناک ہوتے

[1] شرح السیر الکبیر،ج:۱،ص:۲۶ ،باب فی فضیلة الرباط۔

> ہیں ،اور ان کی دعائیں اس طرح قبول کرتے ہیں جیسے رسولوں کی دعا ئیں قبول فرماتے ہیں .اور جس نے کسی مجاہد کو اس کے گھر والوں کے معاملے میں تکلیف پہنچائی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور اس کو جہنم سے صرف اس مجاہد کی سفارش ہی نکلواسکے گی ،اگر اس نے سفارش کرنی چاہی تو‘‘۔

اور دوسری یہ بات کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے والے ’’تحریک شہیدین ‘‘کے روحِ رواں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒکے پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒاپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

> ’’جہادی قوت کا مہیاکرنا ہر ایک مسلمان کا فریضہ ہے۔خواہ خود میدان میں آئے اور اپنی استطاعت کے موافق سامانِ جنگ ہمراہ لائے۔ کسی دوسرے کی شرکت کا انتظار اس معاملے میں بالکل جائز نہیں۔جہاد کے معاملے میں جو مشکل اور تعطیل واقع ہورہی ہے ،اس کا وبال اور سزا جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی گردن پر ہے۔(نہ کہ ان پر جو اپنے جان ومال سے جہاد کررہے ہوں)۔غیرت اسلامی کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر کوئی شخص بطور کھیل اور تماشہ بھی جہاد کا نام لیتا تو اس کی آواز پر ہر شخص دوردراز سے صحراو بیاباں پہاڑوں اور جنگلوں کا سفر طے کرتا،دیوانوں کی طرح دوڑتا بلکہ شہباز کی طرح پرواز کرکے مجمعِ جہاد میں جاپہنچتا ۔افسوس!اسلام کا صرف یہی حق(آج رہ گیا)ہے کہ اس کے’’رکن اعظم‘‘(جہاد فی سبیل اللہ)کی بیخ کنی کرے،غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی رکھنے والوں پر’’ملامت وطعن‘‘کرے اگر ایسا ہو تو یہ (جہاد کرنے والوں پر قینچی کی طرح زبانیں چلانے والے)لوگ من جملہ

عیسائی ،یہودی،مجوسی یا ہنود میں سے ہیں‘‘۔[1]

جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق چند ضروری باتیں

جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت پر قرآن کریم کی چند آیات و احادیث مبارکہ:

جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت و ضرورت سے متعلق ساری آیات و احادیث کویہاں نقل کرناممکن نہیں ہے اس کے لئے ضخیم کتابیں بھی تحریر کی جائیں تووہ اس مضمون کا احاطہ نہیں کرسکتیں،پھر بھی ہم وہ چند آیات و احادیث نقل کردیتے ہیں جس میں صراحت کے

[1] ترجمہ و تلخیص،مکاتیب سید احمد ؒ،ص:۶۷،مکتبہ سید احمد شہید،بحوالہ’’کلمۃ الھادی الی سواء السبیل‘‘ص:۱۹۹۔

ساتھ جہاد کو’’قتال فی سبیل اللہ‘‘سے تعبیر کیا گیا اور اس کو ہی مسلمانوں کی عـزت ، دین کی اقـامت، اللہ کے کلمہ کی سربلندی کا واحد ذریعہ قرار دیا گیا ۔

’’قتال فی سـبیل اللہ‘‘قـرآن کی نظـر میں:

﴿کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَـالُ وَهُـوَ کُـرْهٌ لَکُمْ وَعَسَـی أَنْ تَکْرَهُوا شَیْئًا وَهُـوَ خَیْـرٌ لَکُمْ وَعَسَـی أَنْ تُحِبُّوا شَـیْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَکُمْ وَاللَّهُ یَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لا تَعْلَمُونَ﴾[1]

’’ تم پرقتال کاکرنا فرض کردیا گیا ہے اگر چہ وہ تمہیں کتنا ہی نا پسند ہو اور ممکن ہے تم کسی چیز کو نا پسند کـر تے ہو حـالانکہ وہ تمہارے لـئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کســی چـــیز کـــو پسندکر تے ہو اور وہ تمہا رے لـئے شـر ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو‘‘

گـوکہ یہ ایـک آیت ہی کـافی ہے جہاد و قتـال کی فرضیت اور اس کی اہمیت کے حوالے سے اور خـاص کـر ان لوگوں پر تو یہ آیت قطعی حجت ہے جـوکہ جہاد اور قتال میں فرق کرتے ہیں ۔چونکہ قرآن اپـنے بیـان کـردہ مضامین کـا ایـک لحـاظ سـے خـود بھی محافـظ ہے لہٰذا قرآن نے جہادکے شرعی معانی جـوکہ دراصـل قتـال ہی ہیں، اس کی محافظت کی ہے۔اب جولوگ جہاد اور قتــال میں فرق کرتے ہیں،حالانکہ ایسـا بالکـل نہیں، تـو انہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارکـان اسـلام کی طـرح ’’جہاد‘‘ کو نہیں بلکہ طاقت کے اسـتعمال یعـنی ’’قتـال فی سبیل اللہ ‘‘کو یہ کہہ کـر کہ ﴿کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَـالِ﴾ فرض قرار دیاہے ۔

[1] سورۃ البقرۃ: ۲۱۶۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جنت کا سودا بھی ان لوگوں سے کیا ہے جن کی اولین صفت بھی یہ بیان کی گئی کہ وہ ’’قتال فی سبیل اللہ ‘‘کرنے والے ہوں گے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ﴾[1]

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لئے ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے بدلے ،جو قتال کرتے ہیں اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں‘‘۔

پھروہ لوگ جو صفیں باندھ کر ’’قتال فی سبیل اللہ ‘‘کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محبت کا اعلان کررہے ہیں یعنی یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ رب العزت اعلان کررہے ہیں کہ ’’وہ میرے بن گئے ‘‘۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ﴾[2]

’’بے شک اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر قتال کرتے ہیں جیسے کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں‘‘۔

اسی ’’قتال فی سبیل اللہ ‘‘کے لئے اہل ایمان کو ابھارنے کا حکم رسول اللہﷺکو ان الفاظ میں دیا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ﴾[3]

’’اے نبی !آپ اہل ایمان کو قتال کے لئے ابھاریئے ‘‘

---

[1] التوبۃ:۱۱۱۔
[2] الصف:۴۔
[3] الانفال:۶۵۔

﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لا تُكَلَّفُ إِلا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ﴾[1]

’’(اے نبی)بس آپ قتال کرتے رہیے اللہ کے راستے میں،آپ اپنی ذات کے سواکسی کے ذمے دار نہیں اور آپ اہل ایمان کو قتال پر ابھاریئے ‘‘

جو طاغوت بن کر اپنا نظام جاری کرے اورجو بھی اُس کا حمایتی و مددگار بن کرلڑے، اہل ایمان کو بھی ان سب سے لڑنے کا حکم دیا گیا :

﴿فَقَاتِلُوْآ اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾[2]

’’پس قتال کرو ان کفر کے سرداروں سے‘‘۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾[3]

’’جو لوگ ایمان لائے وہ تو قتال کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جولوگ کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں تو (اے مسلمانو!)تم لڑو ان شیطان کے دوستوں سے ،بے شک شیطان کی چال بہت کمزورہے‘‘۔

اوریہ قتال اس وقت تک جاری رکھنے کا حکم جاری فرمایا جب تک ’’کلمہ کی دعوت ‘‘کو نہ ماننے والے ذلت و مسکنت کے ساتھ ’’جزیہ ‘‘دینے پر آمادہ نہ ہوجائیں:

﴿قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللِّٰ وَلاَ بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلاَ یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ، وَلاَ یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ

---

[1] الانفال:۶۵۔
[2] التوبة:۱۲۔
[3] النسآء:۷۶۔

مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُـوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُـوا الْجِزْیَـةَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صَاغِرُوْنَ [1]

’’قتال کرو ان سے جب تک یہ ایمان نہیں لاتے اللہ اورآخرت کے دن پر اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیاہے اس کو حرام نہیں جانتے اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے ،یہاں تک کہ وہ ذلیل و خوار ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں‘‘۔

اسی طرح جب تک زمین پر اللہ کے قوانین کے بجائے غیر اللہ کے قوانین جاری و ساری ہیں اس وقت تک مسلمانوں کو ’’قتال فی سبیل اللہ ‘‘جاری رکھنے کا حکم دیاگیا :

﴿ وَقَـاتِلُوهُمْ حَتَّى لا تَكُـونَ فِتْنَـةٌ وَيَكُـونَ الـدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾ [2]

’’اور قتال کرتے رہو ان سے یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے اور دین کل کاکل اللہ ہی کے لئے ہوجائے‘‘۔

اور اس دوران اس بات کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے کہ ہم غالب ہوں گے یا مغلوب کیونکہ دونوں صورتوں میں اجر ثابت ہے:

﴿فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَـبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَـلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ [3]

---

[1] التوبة:۲۹۔
[2] سورۃ الانفال:۳۹۔
[3] النسآء:۷۴۔

’’پس قتـــال کرنـــا چـــاہیے ا للہ کی راہ میں ان لوگوں کو جنہوں نے آخرت کے بدلے اپـنی دنیـا کی زندگی کو بیچ دیا ہے اور جس نے قتال کیا اللہ کی راہ میں پھـر وہ مـارا گیـا یـا غـالب آگیـا (دونـوں صـورتوں میں)یقینـا ہم اس کـو بـڑے اجـر سـے نوازیں گے‘‘۔

اور جولوگ اس قتال فی سبیل اللہ میں مارے جـائیں ان کے لئے حیاتِ جاودانی کا اعلان بھی ہے:

﴿وَلا تَحۡسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَـلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾[1]

’’اور ہرگـز یہ گمـان نہ کرنـا ان لوگـوں کے بـارے میں جـو اللہ کی راہ میں قتـال کـرتے ہوئے مـارے جـائیں کہ وہ مــردہ ہیں بلکہ وہ زنــدہ ہیں اور اپنے رب کے پاس سے رزق پارہے ہیں‘‘۔

اکابرین تبلیغی جماعت کی طرف سـے قرآن کریم کـو سـمجھنے سـے روکـنے کی اصل وجہ :

قرآن کریم درحقیقت’’جہاد فی سبیل اللہ ‘‘کا سب سـے بـڑا محافـظ ہے اور اس کی فرضـیت ،اہمیت اور ضرورت کو قرآن نے بڑی شدومد کے ساتھ بیان کیـا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رســول اللہ ﷺنے قــرآن اور جہاددونوں کو قوموں کی عروج وزوال کی کسوٹی قرار دیا :

[1] آل عمران:۱۶۹۔

((ان اللّٰہ یرفــع بهــذا الکتــاب اقوامــاً ویضــع بہ آخرین))[1]

’’بے شــک اللہ تعــالیٰ اس قــرآن (کوتهــامنے)کی وجہ سے بہت سی قوموں کو عـروج عطـاکرے گـا اور(اس کــو پس پشــت ڈالــنے والی)بہت ســی قوموں کو رسوا کردے گا‘‘۔

((ماترک قوم الجهاد فی سبیل اللّٰہ الا ضربهم اللّٰہ بذل))[2]

’’جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد چھوڑ بیٹهــتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کردیتے ہیں‘‘۔

((ماترک قوم الجهاد الا عمهم اللّٰہ بالعذاب))[3]

’’جو قوم جہاد تــرک کربیٹهــتی ہے تــو اللہ تعــالیٰ اس پر عذاب مسلط فرمادیتے ہیں‘‘۔

لٰہذا صــحابہ ـ کــرام قــرآن اور جاد کــو لازم وملــزوم سمجهتے تهے۔چناچہ صــحابہ کــرام کہتے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا تها کہ :

((أمرنا أن نعلمہ أولادنا الرمی والقرآن))[4]

’’ہمیں حکم دیاگیا تهـا کہ ہم اپــنی اولاد کــو تــیرا ندازی اور قرآن سکهائیں ‘‘۔

---

1 صحیح مسلم،ج:۴،ص:۲۵۲،رقم الحدیث:۱۳۵۳۔
2 کنز العمال،ج:۳،ص:۶۸۱،رقم الحدیث۔۸۴۴۷۔
3 مجمع الزوائد،ج:۵،ص:۲۸۴۔
4 المعجم الکبیر للطبرانی،ج:۴،ص:۱۵۶،رقم الحدیث۔۳۷۴۵۔ کنزالعمال،ج:۱۶،ص:۵۸۵،رقم الحدیث۔۴۵۹۵۵۔مجمع الزوائد،ج۔۵،ص:۲۶۹واسنادہ فیہ کلام۔

((تعلموا الرمی والقرآن))[5]

’’سیکھوقرآن اور تیرچلانا‘‘

حضرت علی ؓفرماتے ہیں :

’’کہاں ہیں وہ لوگ جنہیں اسلام کی طرف بلایا جاتا تھا تو وہ اسے قبول کرلیتے تھے؟وہ قرآن کو پڑھتے تھے اور اپنے اعتقادات کو اس کے ساتھ مضبوط کرتے تھے اور جہاد کے لئے برانگیختہ ہوجایا کرتے تھے‘‘۔

ایک طرف قرآن اور جہاد سے متعلق رسول اللہ ﷺکا یہ فیصلہ اور اس پر صحابہ کرام ؓکا طرز عمل ہے اور دوسری طرف ایک نہایت ہی تلخ حقیقت ہے جس کو آج یہاں کھول دیا جائے تو بہتر ہے ،گوکہ اس تلخ حقیقت کو تبلیغی جماعت کے متعلقین و احباب اور عام مسلمانوں کے لئے تسلیم کرنا نہایت تکلیف دہ ہوگا لیکن جب معاملہ دین اسلام کا ہوتو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

وہ تلخ حقیقت یہ ہے کہ جب تک عام مسلمان قرآن کے بنیادی پیغام اوراس کے فہم کو سمجھنے سے قاصر نہ ہوتے تو بڑے سے بڑے دھوکے باز کی حیلہ سازیاں اور تاویلات بھی عام مسلمانوں کوجہاد و قتال سے دور رکھنے کی کا باعث نہ بن سکتی تھیں ۔لیکن آج تبلیغی جماعت کے اکابرین کی جانب سے اپنے متعلقین و احباب کے لئے قرآن کریم کو سمجھنے سمجھانے پر یکسر پابندی لگادینا اور کسی بھی صورت قرآن کا ترجمہ اور تفسیر جوکہ علماء کرام نے لکھی ہی عموماًعام مسلمانوں کے ’’فہم قرآن‘‘کے لئے ہیں،ان کے مطالعہ سے نہ صرف عام مسلمانوں کو روک دینا بلکہ خود اکابر تبلیغی

[5] کنزالعمال،ج:۱۶،ص:۵۸۵،رقم الحدیث:۱۰۸۷۱۔

جماعت کا قرآن کے ترجمے اور دورس سے اجتناب کرنا اور جو یہ کام کرے اس کو غلطی پر اور گمراہ سمجھنا دراصل اپنے پیچھے ایک سوچ اور فکر کی عکاسی کرتا ہے ۔

محسوس ایسا ہوتا کہ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ جب تک ان کے متعلقین و احباب اور عام مسلمان قرآن کریم کے معانی اور تفاسیر سے نابلد رہیں گے اس وقت تک وہ جہاد وقتال کی فرضیت ،اہمیت اور ضرورت سے بھی واقف نہ ہوں گے۔لہٰذا اس کا فائدہ صرف اس کو ہوگا جوکہ جہاد و قتال سے بغض و عناد رکھتا ہوگا۔

وہ لوگ جو قرآن کریم کے بنیادی پیغام کا فہم حاصل کرنے کے لئے ترجمے و تفسیر کو پڑھنے کو چودہ یا پندرہ علوم سے مشروط قرار دیتے ہیں ان کے لئے ہم کچھ کلام علمائے امت کا بھی نقل کردیتے ہیں جس میں انہوں نےقرآن کریم کے بنیادی پیغام کو سمجھنے کے لئے جس کو مفسرین ’’نصیحت اور یاددہانی‘‘سے تعبیرکرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی اس اعتبار سے سمجھنے کے لئے قرآن کو آسان قرار دیتے ہیں۔سورہ القمر میں چار دفعہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ﴾[1]

’’اور ہم نے قرآن کو نصیحت و یاددہانی کے لئے آسان کردیا ہے،تو ہے کوئی جونصیحت حاصل کرے‘‘۔

عام مسلمانوں کو قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنے اور اس کے لئے روز کی بنیاد پر حلقے لگاکر بیٹھنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے سمجھانے کی تلقین کرتے ہیں۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہنے دنیا کی تاریخ میں سب سے

[1] القمر:۱۸۔

پہلے قرآن کریم کا ترجمہ کیا ان کے پیش نظر یہی مقصد تھا کہ ایک عام آدمی تک قرآن کا بنیادی پیغام پہنچ جائے۔ وہ فرماتے ہیں :

’’ مسلما نوں کو چاہیے کہ فرصت کے وقت حلقہ حلقہ ہو کر بیٹھیں اور جو شخص قرآن کریم کا ترجمہ پڑھ سکے اور تھوڑی سی بھی تفسیر جانتاہویا کسی کے سامنے ترجمہ پڑھ چکا ہو وہ جس قدر وقت ملے قرآن کریم کو ترجمہ کے ساتھ اچھی طرح پڑھے تاکہ سب سنیں اور قرآن کے مطالب کو سمجھیں اور اسی طرح صحابہ کرام ؓسے مشابہت پیداکریں جو حلقہ حلقہ ہوکر تشریف رکھتے تھے اور قرآن سنتے تھے ۔ فرق اس قدر ہے کہ وہ بوجہ مادری زبان ہونے کے قرآن خود سمجھتے تھے اور یہا ں کے مسلمان ترجمہ (کے ذریعے)سمجھیں گے ۔ ‘‘

’’پس کیسا اسلا م اس شخص کا جو قرآن کریم کونہ سمجھے اور کیسی حلا وت اس کے پاس ہے کہ اللہ کے کلام کو نہ جانے۔ قرآن اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے نازل فرما یا ہے کہ اللہ کی مرضی اور نا مرضی کوپہچانیں اور نفس کے مَکر اور بُرے اعمال کی تا ریکیوں اور خراب اخلاق سے نجات حاصل کریں ۔‘‘[1]

چناچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے شاہ اسماعیل شہیدنے اپنی کتاب’’تقویۃالایمان ‘‘میں فرماتے ہیں:

’’ اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ نے جانے کتنی راہیں چلتے ہیں ،کوئی پچھلو ںکی رسموں کو پکڑتے ہیں، کوئی صرف قصّے بزرگوں کے

[1] کتاب ’’ فتح الرحمٰن از شاہ ولی اللہ ؒ ‘‘ ۔

دیکھتے ہیں اور مولویوں کی باتوں کو ہی جو انہوں نے اپنی ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں ،سَندپکڑتے ہیں اور یہ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ (اور اس کے)رسول ﷺ کا کلام سمجھنا مشکل ہے ،اس کے لئے بہت علم چاہیے ،ہم کو وہ طاقت کہا ں کہ ان کا کلام سمجھیں اور اس راہ پر چلنا بزرگوں کا کام ہے ۔ سو ہماری کیا طاقت ہے کہ اس کے موافق چلیں ،بلکہ ہمیں یہی باتیں کفایت کرتی ہیں .... سو یہ بات غلط ہے ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں بیان کی گئی باتیں بالکل واضح ہیں ،ان کا سمجھنا مشکل نہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کو سمجھنے کیلئے بہت علم کی ضرورت نہیں کہ رسول تو نادانوں کو راہ بتانے اور جاہلوں کو سمجھانے اور بے علموں کو علم سکھانے آئے تھے‘‘ ۔[1]

مو لا نا منظور نعمانی ؒ فرماتے ہیں :

’’ کچھ ایسے نیک لوگ موجود ہیں ،جو حصولِ ثواب وبرکت کی خاطر روزانہ قرآن مجید کے پارے دو پارے تلاوت تو کرتے ہیں مگر بے چارے اس کے مطلب ومقصدسے قطعاً نا آشنا ہیں۔ اگرچہ اس دور میں اب بہت سے ترجمے اور تفسیریں لکھی جا چکی ہیں اور ایک اردو سمجھنے والا ان کی مدد سے بھی قرآن کریم کے مطلب و مقصد کو اچھی خاصی حد تک سمجھ سکتا ہے ،لیکن ان بے چاروں کے ذہن میں کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور اپنی

[1] تقویۃ الایمان

عملی زندگی کیلئے اس سے ہدایت لینا بھی کوئی بہت ضروری بات ہے ۔‘‘[1]

یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ اور تفاسیر کا مطالعہ بغرض’’تذکر ‘‘یعنی یاددہانی اور نصیحت کے لئے کیا جائے ،نہ کہ از خودبغرض’’ استنباطِ احکام‘‘۔ اسی بات کو مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع،سورہ القمر کی آیت ۱۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

’’قرآن نے اپنے مضامینِ عبرت و نصیحت کو ایسا آسان کرکے بیان کیا ہے جس طرح بڑے سے بڑا عالم و ماہر، فلسفی اور حکیم اس سے فائدہ اٹھاتا ہے ،اسی طرح ہر عامی جاہل جس کو’’ علوم‘‘سے کوئی مناسبت نہ ہو وہ بھی عبرت و نصیحت کے مضامینِ ِقرآنی کو سمجھ کر اس سے متاثر ہو تا ہے۔اس آیت میں یَسَّرْنَا کے ساتھ لِلذِّکْرِکی قید لگا کر یہ بھی بتلادیا گیا ہے کہ قرآن کو حفظ کرنے اور اس کے مضامین سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کی حد تک اس کو آسان کردیا ہے ، جس سے ہر عالم و جاہل ،چھوٹا اور بڑا یکساں فائدہ اٹھا سکتا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن کریم سے مسائل اور احکام کا استنباط بھی ایسا ہی آسان ہو ،وہ اپنی جگہ مستقل اور مشکل فن ہے جس میں عمریں صرف کرنے والے علماء راسخین کو ہی حصہ ملتا ہے، ہر ایک کا میدا ن نہیں۔‘‘[2]

ان تمام دلائل و براہین کے باوجودجو کوئی بھی عام مسلمانوں کو فہم قرآن سے روکے رکھے تو جان لیجئے

---

[1] اقتباس از ’’اگر رسولﷺاس زمانہ میں ہوتے ‘‘ ماہنامہ تدریس القرآن۔

[2] معارف القرآن جلد ۸،صفحہ ۲۳۰۔

اس عمل کو قرآن نے مشرکین مکہ کا عمل قرار دیا ہے جوکہ ''کلمہ کی دعوت''کے مقابلہ میں عام لوگوں قرآن کو سننے سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے:

﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِھَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُونَ﴾[1]

''اور کہاان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ ہر گز نہ سنو اس قرآن کو اور اس کے سننے کے دمیان شور مچاؤامید ہے کہ تم غالب آجاؤ گے ''۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا کہ قرآن سے روکنے کا یہ عمل ان کے کسی کام نہیں آنے والہ بلکہ خسارہ میں ڈالنے والا ہے:

﴿وَھُمْ یَنْھَوْنَ عَنْہُ وَیَنْأَوْنَ عَنْہُ وَإِنْ یُھْلِکُونَ إِلا أَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُونَ﴾[2]

''اور اس قرآن سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی رکتے ہیں اور یہ بات خود ان کو ہلاکت میں ڈالنے والی ہے مگر وہ اس کا شعور نہیں رکھتے''۔

''قتال فی سبیل اللہ''احادیث رسول ﷺ کی نظر میں:

یہ بات پہلے بھی واضح کی جاچکی ہے کہ ''جہاد فی سبیل اللہ ''کے شرعی معانی کا اطلاق صرف اس کوشش اور سعی پر ہوتا ہے جس کا تعلق ''قتال فی سبیل اللہ''سے ہوچاہے وہ جانی ہو یامالی ہو یا زبانی ہو۔ پھر بھی ہم جہاد سے متعلق صرف وہ

---

[1] فصلت:۲۶۔
[2] الانعام :۲۶۔

چنداحادیث رسولﷺنقل کردیتے ہیں تاکہ حجت قائم ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔

رسول اللہ ﷺنے وہ گروہ جس کو دین کا علم بردار اور محافظ قرار دیا اس کی واحد صفت یہی یہ بیان کی کہ وہ اس دین کے قیام کے لئے ’’قتال فی سبیل اللہ‘‘کرنے والا ہوگا:

((لا تزال عصابة من امتی یقاتلون علیٰ امراللّٰہ قاھرین علیٰ عدوھم لا یضرھم من خالفھم حتیٰ تاتیھم الساعة وھم علیٰ ذلک))[1]

’’میری امت کاایک گروہ اللہ کے’’امر‘‘پر برابر قتال کرتا رہے گا ،یہ لوگ دشمنوں پر چھائے رہیں گے ،جس کسی نے ان کی مخالفت کی وہ انہیں نقصان نہیں پہنچاسکے گا، یہاں تک کہ قیامت آجائے اور اسی طریقے پر قائم رہیں گے۔‘‘

((من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین‘ولا تزال عصابة من المسلمین یقاتلون علی الحق ظاھرین علی من ناواھم الی یوم القیامة))[2]

’’اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ دیدیتا ہے اور (جو دین کو سمجھ گیا تو اس سے یہ بات مخفی نہیں کہ)قیامت تک مسلمانوں میں سے ایک جماعت حق پر لڑتی رہے گی اور اپنے سے الجھنے والوں پر غالب رہے گی ۔‘‘

[1] صحیح مسلم،ج:۱۰،ص:۴۲،رقم الحدیث:۳۵۵۰۔
[2] صحیح مسلم،ج:۱۰،ص:۴۱،رقم الحدیث:۳۵۴۹۔

((لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین علی من ناواهم حتی یقاتل آخرهم المسیح الدجال))[3]

’’میری امت میں ایک گروہ برابر حق پر قتال کرتا رہے گا اور حق کے دشمنوں پر غلبہ پائے گا ،حتیٰ کہ ان میں سے آخر شخص مسیح دجال سے لڑے گا‘‘۔

تو اس حقیقت کو جاننے کے بعدجس شخص نے قتال کیا اور نہ ہی اس کا کوئی ارادہ دل میں رکھا تو اُس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((من مات ولم یغز ولم یحدث بہ نفسہ مات علی شعبة من نفاق))[2]

’’جس شخص کی اس حالت میں موت آئی کہ اس نے نہ تو (اللہ کی راہ میں)جنگ کی اور نہ جنگ کا ارادہ کیا تو وہ نفاق کی ایک شعبہ پرمرا‘‘۔

اور جن لوگوں نے ’’قتال فی سبیل اللہ ‘‘کیا،وہ عذاب قبر سے محفوظ رہیں گے۔ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:

((یارسول اللّٰہ !مابال المؤمنین یفتنون فی قبورهم الا الشهید،قال کفی ببارقة السیوف علی رأسہ فتنة))[3]

---

[3] سنن ابی داود،ج:۶،ص:۴۸۷،رقم الحدیث:۲۱۲۵۔

[2] صحیح مسلم،ج:۱۰،ص:۱۹،رقم الحدیث:۳۵۳۳۔

[3] سنن النسائی،،ج:۷،ص:۱۸۸،رقم الحدیث:۲۰۲۶۔کنزالعمال،ج:۴،ص:۵۹۶،رقم الحدیث:۱۱۱۷۴واسنادہ صحیح۔

’’یارسول اللہ ! کیا وجہ ہے کہ سوائے شہید کے سب اہل ایمان کو قبروں میں آزمائے جاتے ہیں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا:شہید کے سر پر تلواروں کا چمکنا ہی اس کی آزمائش کے لئے کافی ہے‘‘۔

اوریہ وہ لوگ ہیں جن کو قیامت کے دن بڑے اعزازات سے نوازا جائے گا جس پر فرشتے بھی رشک کریں گے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فان اللّٰہ عزوجل یدعو یوم القیامة الجنة فتأتی بزخرفها وزینتها فیقول:أي عبادي الذین قاتلوا فی سبیلي وقتلوا وأوزوا في سبیلي وجاهدوا في سبیلي ادخلوا الجنة فیدخلونها بغیر عذاب ولا حساب وتأتی الملائکة فیسجدون فیقولون:ربنا نحن نسبحک اللیل والنهار ونقدس لک من هؤلاء الذین آثرتهم علینا؟فیقول اللّٰہ عزوجل:هؤلاء عبادي الذین قاتلوا فی سبیلي وأوزوا في سبیلي فتدخل علیهم الملائکة من کل باب سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار))[1]

’’بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بلائیں گے جنت کوتو وہ اپنی تمام زینت وآرائش کے ساتھ آئے گی ۔پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ’’کہاں ہیں میرے وہ بندے جنہوں نے قتال کیا میرے راستے میں اور قتل ہوئے اور ان کو میرے راستے میں ستایا گیا اور انہوں نے میرے راستے میں جہاد کیا۔(ان سے کہاجائے گا)داخل ہوجاؤجنت میں اور یہ داخلہ ہوناہوگا بغیر عذاب اور حساب کے ‘‘۔تو فرشتے آئیں گے اور سجدے میں گر جائیں گے اور

[1]مسنداحمد،ج:۱۳،ص:۳۲۱،رقم الحدیث:۶۲۸۳۔کنز العمال،ج:۶،ص:۴۸۰،رقم الحدیث:۱۶۶۳۵۔مجمع الزوائد،ج:۱۰،ص:۲۵۹۔المستدرک علی الصحیحین للحاکم،ج:۶،ص:۲،رقم الحدیث:۲۳۵۲ھذا حدیث صحیح الاسنادولم یخرجاہ۔

کہیں گے ’’اے ہمارے رب !ہم نے تسبیح کی را ت اور دن اور تیری حمد بیان کی ،یہ کون لوگ ہیں جن کو ہم پر بھی فضیلت دی گئی (کہ ہم سے پہلے جنت میں بلا حساب و کتاب داخل ہوگئے)؟‘‘اللہ تعالیٰ ارشادفرمائیں گے ’’یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے میرے راستے میں قتال کیا اور ان کو میرے راستے میں ستایا گیا‘‘۔ (یہ سن کر)فرشتے ہر دروازے سے ان پر یہ کہتے ہوئے آئیں گے ’’سلام ہو تم پر بسبب اس ثابت قدمی کے(جو تم نے دنیا میں دکھائی)۔پس یہ کیا ہی اچھا بدلہ آخرت کے گھرکا ‘‘۔

یہ ہیں وہ درجات جو ’’قتال فی سبیل اللہ ‘‘کرنے والوں کو حاصل ہوں گے ۔جب ہی رسول اللہ ﷺکی سب سے بڑھ کر یہ آرزو رہی کہ :

((والذی نفسی بیدہ لوددت أنی أقتل فی سبیل اللّٰہ ثم أحیاثم أقتل،ثم أحیاثم أقتل،ثم أحیاثم أقتل))[1]

’’اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ،میری تو یہ آرزو ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کردیا جاؤں ،پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں ،پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤ ں ،پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں ‘‘۔

اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺنے فرمایا :

((ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف))[2]

---

[1] صحیح البخاری،ج:۹،ص:۳۶۴،رقم الحدیث:۲۵۸۸۔

[2] صحیح مسلم،ج:۱۰،ص:۱،رقم الحدیث:۳۵۲۱۔مسند احمد،ج:۴۰،ص:۶۶۱،رقم الحدیث:۱۸۸۴۹۔صحیح ابن حبان،ج:۱۹،ص:۲۴۰،رقم الحدیث:۴۷۰۱۔

’’بے شک جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں‘‘۔

جہاد کی فرضیت سے مراد؟

جب ہم جہاد فی سبیل اللہ کے شرعی معانی ،اس کی اہمیت و فرضیت کو سمجھ چکے تو یہ بھی ہم پر واضح ہونا چاہیے کہ جہاد فی سبیل اللہ ایک ایسا عمل ہے جوکہ امت محمدیہ پر رسول اللہ ﷺکی بعثت کے ساتھ ہی فرض ہوگیاتھا اور قیامت تک وہ بلا کسی وقفہ اور تعطل کے جاری رہے گا۔چنانچہ رسول اللہ ﷺنے اس بات کو کہ ’’جہاد تا قیام قیامت بلاکسی تعطل اور وقفہ کے جاری رہے گا ‘‘ایک مسلمان کے اسلام کی ’’بنیاد‘‘اور ایمان کی ’’جڑ‘‘قراردیا،یعنی اس بات کو تسلیم کئے بغیر آدمی کے اسلام اور ایمان کی کوئی حیثیت نہیں :

((بنی الاسلام علٰی ثلا ثۃ...........والجھاد ماض الیٰ یوم القیمۃ منذ بعث اللّٰہ محمدا ﷺ الیٰ آخر عصابۃ من المسلمین لا ینقض ذلک جور جائر ولاعدل عدل))[1]

’’اسلام کی بنیاد تین چیزوں پر رکھی گئی ہے...........(ان میں سے ایک یہ ہے کہ)جہاد حضرت محمد ﷺکی بعثت سے قیامت تک اس کے آخری گروہ تک جاری رہے گا، اس کو کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل ختم نہیں کرسکتا‘‘۔

---

[1] المعجم الأوسط للطبرانی رقم ۴۷۷۵،۵/۹۶،سنن ابی داؤد رقم ۲۵۳۲،سنن البھیقی ۹/۱۵۶،رقم ۱۷۵۷۴،مسندابی یعلی رقم ۴۳۱۱۔

((ثلاث من اصل الایمان............والجھاد ماض منذ بعثنی اللّٰہ الی ان یقاتل آخر امتی الدجال لایبطلہ جور جائر ولا عدل عادل))[2]

’’تین باتیں ایمان کی جڑ ہیں............(ان میں سے ایک یہ ہے کہ)جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بناکر بھیجا ہے جہاد ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ دجال سے قتال کریں گے(اور اس دوران)کسی عادل کا بادشاہ کا عدل یا کسی ظالم کا ظلم اس کو موقوف نہیں کرسکتا‘‘۔

یہا ں یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں کہ ’’کسی عادل کا عدل یا کسی ظالم کا ظلم اس جہاد کو موقوف یا معطل نہیں کرسکتا‘‘۔یعنی بادشاہ اگر عادل ہوتب بھی جہاد جاری رہے گا ہو۔ اس صورت میں کہ دار الاسلام کی سرحدوں کو وسعت دینے کے لئے ہر سال کم از کم ایک دفعہ کافروں کے علاقے پر چڑھائی کی جائے گی جبکہ و ہ کافر لڑنے پر آمادہ اور تیار بھی نہ ہوں اور اگر بادشاہ ظالم ہوتب بھی اس کی امارت میں جہادد جاری رکھنے کا حکم دیاگیاسوائے اُس حاکم کے جوکفرِ بواح یعنی وہ کفر جس کے کفر ہونے میں کسی کو شک نہیں، کا مرتکب ہوتو اس صورت میں خود اس کے خلاف ہی جہاد فرض ہوجاتاہے ۔

جہاد کی اقسام:

بنیادی طور پر فقہاء کرام نے متفقہ طور پر جہاد کی دو اقسام بیان کی ہیں :

(۱) فرض کفایہ جہاد

---

[2] سنن ابی داود،ج:۷،ص:۶۳،رقم الحدیث:۲۱۷۰۔کنزالعمال،ج:۴،ص:۳۱۴،رقم الحدیث:۱۰۶۶۶۔

(۲)فرض عین جہاد

لہٰذا یہ جاننا بھی انتہائی ضروری ہے کہ کن کن حالتوں میں اور صورتوں میں جہاد فرض کفایہ یا پھرفرض عین ہوتا ہے۔ کیونکہ جب جہاد کے شرعی معانی اور اس کی اہمیت و فرضیت کو واضح کیا جاتا ہے تو لوگ پھر جہاد سے راہِ فراراختیار کرنے کے لئے فرض کفایہ اور فرض عین کے الگ الگ احکامات و مسائل کو گڈمڈ کردیتے ہیں اور جہاد کے ’’فرض عین ‘‘ ہونے کے باوجود اس پر ’’فرضِ کفایہ ‘‘کے شرائط و احکامات لاگو کردیتے ہیں۔

لہٰذا دار الاسلام کی سرحدوںمیں وسعت دینے کے لئے جو جہاد کیا جاتا ہے اس کو ’’اقدامی جہاد ‘‘بھی کہاجاتاہے۔’’اقدامی جہاد ‘‘ کی چند شرائط فقہائے کرام نے بیان کی ہیں جو درجِ ذیل ہیں :

(۱)سرپرست کی اجازت ہو۔

(۲)بعض فقہاء کے نزدیک طاقت کا توازن ہو۔

(۳)نفیرِ عام ہو۔

(۴)دعوت الی الاسلام ہو۔

اور اگر یہ شرائط پوری نہ ہوں تو ان کو پورا کرنے کے لئے ہر مسلمان پرکوشش لازم ہے۔ اس کے بارے میں علامہ ابن عابدین شامیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ’’رد المختار ‘‘میں لکھتے ہیں :

’’کہ امیر کے لئے ضروری ہے کہ ہر سا ل میں امیر(سرحدات اسلامی کی وسعت کے لئے)ایک یا دو مرتبہ لشکر(کافروں کی طرف)روانہ کرے

لہٰذا ایک سال کا جہاد دوسرے سال کے لئے کافی نہ ہوگا‘‘۔[1]

چنانچہ جب امیر اس فرض کی ادائیگی کے لئے پکار لگائے تو اس صور ت میں جہاد فرضِ عین ہوتا ہے مگر مطلوبہ تعداد پوری ہوتے ہی فرضِ کفایہ کی طرف لوٹ جاتا ہے یعنی بقیہ کی طرَف سے ساقط ہوجاتاہے۔امام ابوبکر جصاص ؒفرماتے ہیں :

’’جب تک اتنے لوگ جہاد میں شریک ہوگئے جو کفایت پر قادر ہیں تو حکم یہ ہے کہ جہاد پھر فرضِ کفایہ کی طرف لوٹ آئے گا‘‘۔[2]

اس کے علاوہ چار صورتیں ایسی ہیں جن میں جہاد تعین کے ساتھ ہر ایک مسلمان پر’’ فرض عین‘‘ ہوجاتا ہے۔وہ چار صورتیں یہ ہیں:

(۱) ’’اذا دخل الکفار بلدة من بلاد المسلمین ‘‘

’’جب کفار مسلمانوں کے کسی بھی علاقے میں گھس آئیں ‘‘۔

چنانچہ جب یہ صورت پیش آجائے تو یہ جہاد ’’دفاعی جہاد ‘‘کہلاتا ہے جو کہ ہر ایک مسلمان بالترتیب فرض عین ہوتا چلاجاتاہے۔چناچہ فقہ حنفی کے مشہور امام، امام ابن عابدین شامی ؒفرماتے ہیں :

’’اگر دشمن کسی بھی اسلامی سرحد پر حملہ آور ہوجائے تو (وہاں بسنے والوں پر)جہادفرضِ عین ہوجاتا ہے ۔ اسی طرح ان کے قرب وجوارَ

[1] الرد المختار۳/۲۴۰۔
[2] احکام القرآن:۴/۳۹۱۔

میں بسنے والوں پر بھی جہاد فرضِ عین ہوجاتا ہے۔البتہ جولوگ ان سے پیچھے ،دَشمن سے فاصلے پر بستے ہوں ،تو جب تک ان کی ضرورت نہ پڑجائے،مثلاً :جس علاقے پر حملہ ہوا ہے اس کے قرب وجوار میں رہنے والے لوگ دشمن کے خلاف مزاحمت کرنے میں بے بس ہوجائیں،یا بے بس تو نہ ہوں لیکن اپنی سستی کی وجہ سے جہاد نہ کریں ،تو ایسی حالت میں ان کے گرد بسنے والوں پر بھی جہاد ،نماز اور روزے کی طرح ’’فرض عین ‘‘ہوجاتا ہے اور اسے ترک کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔پھر فرضیت کا یہ دائرہ اس کے بعد اور پھر اس کے بعد والوں تک حسب ضرورت پھیلتا جاتا ہے یہاں تک کہ اسی تدریج سے بڑھتے ہوئے ایک وقت مشرق و مغرب میں بسنے والے ہر مسلمان پر جہاد فرض ہوجاتا ہے‘‘۔[1]

اور یہ جہاد وہ ہوتا ہے جس کے لئے ہر شرط ساقط ہوجاتی ہے۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

’’وأما قتال الدفع فهو اشد انواع دفع الصائل عن الحرمة والدين فواجب اجماعا،فالعدو الصائل الذى يفسد الدين وا لدنيا لاشيئ أوجب بعد الايمان من دفعه،فلا يشترط له شرط(كلزاد والراحة)بل يدفع بحسب الامكان ،وقد نص على ذلک العلماء، أصحابنا و غيرهم‘‘[2]

’’اور جہاں تک بات ہے ’’دفاعی قتا ل‘‘کی تو حرمتوں اور دین پر حملہ آور دشمن کو پچھاڑنے کے لئے یہ قتا ل کی اہم ترین قسم ہے اور اسی

[1] حاشیۃ ابن عابدین :۳/۲۳۸۔
[2] الفتاوی الکبری ۴/۵۲۰۔

لئے اس کے فرض ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ ایمان لانے کے بعد سب سے ’’اہم ترین فریضہ‘‘دین و دنیا کو برباد کرنے والے حملہ آور دشمن کو پچھاڑنا ہے۔ اس کی فرضیت کے لئے کوئی شرائط نہیں (مثلاًزادِراہ اور سواری موجود ہونے کی شرط بھی ساقط ہوجاتی ہے)بلکہ جس طرح بھی ہودشمن کو پچھاڑا جائے گا۔ یہ بات علماء نے واضح طور پر بیان کی ہے، خواہ ہمارے مذہبِ فقہی کے علماء ہوں ،یا دیگر فقہی مذاہب کے‘‘

(۲) ’’اذا التقی الصفان وتقابل الزحفان‘‘

’’جب کفر و اسلام کے لشکروں کا آمنا سامنا ہو اور دونوں طرف کی صفیں ایک دوسرے سے ٹکراجائیں‘‘۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ایھا الناس!لا تتمنوا لقاء العدو وسلوا اللّٰہ العافیة فاذ لقیتموھم فاصبروا واعلموا ان الجنة تحت ظلال السیوف))

’’اے لوگو!دشمن سے لڑنے کی آرزو نہ کرواور اللہ سے عافیت طلب کرو۔لیکن جب دشمن سے لڑنے کی نوبت آہی جائے تو ڈٹ جاؤ (اور پیٹھ نہ دکھاؤ)اور یہ جان رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے‘‘۔[1]

[1] صحیح البخاری،ج:۱۰،ص:۱۲۴،رقم الحدیث:۲۷۴۴۔صحیح مسلم،ج:۹،ص:۱۶۹،رقم الحدیث:۲۳۷۶۔

ایسے موقعے پرجبکہ مسلمان اور کفار کے لشکر باہم مقابل ہوںتو جوکوئی جہاد سے پیٹھ پھیرے اور طرح طرح کے بہانے تراش کر جہاد سے راہِ فرار اختیار کر تو سنئے اُس کے لئے اللہ رب العزت کس سزا کافیصلہ فرمارہے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلا تُوَلُّوهُمُ الأَدْبَارَ○وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَى فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾[1]

''اے ایمان والو!جب کافروں سے دو بدو مقابل ہوجاؤتو ان سے پیٹھ نہ پھیر دینا۔اور جو شخص ان سے اس موقع پر پشت پھیرے گا سوائے اس کے کہ وہ جنگی چال کے طور پر پیچھے ہٹ رہا ہویا جماعت کے ساتھ ملنے کیلئے، اس کے علاوہ اگر کسی نے پسپائی اختیار کی تووہ اللہ کے غضب کا حقدار ٹہرے گااور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے''۔

(۳) ''اذا أسر الکفار مجموعة من المسلمین''۔

''جب کفار کچھ مسلمانوں کو قید کرلیں ''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فُكُّوْ الْعَانِىْ))[2]

''قیدیوں کو رہا کرواؤ''

---

[1] الانفال:۱۶،۱۵۔
[2] صحیح البخاری،ج:۱۰،ص:۲۵۷،رقم الحدیث:۲۸۱۹۔

امام قرطبی ؒاپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

’’قیدیوں کو چھڑانا مسلمانوں پر واجب ہے،چاہے قتال کے ذریعے چھڑائیں یا اموال خرچ کرکے چھڑائیں، اور مال کے ذریعے چھڑانا زیادہ واجب ہے کیونکہ مال خرچ کرنا اپنی جانیں کھپانے سے کم تر اور زیادہ آسان ہے‘‘۔[1]

امام المجاہدین عبد اللہ بن مبارک ؒاپنے اشعار میں فرماتے ہیں :

کیف القرار و کیف أ مسلم والمسلمات مع العدوالمعتدی

قرار کہاں ہے ؟اور ایک مسلمان پرسکون کیسے ہوسکتا ہے جب کہ مسلمان عورتیں سرکش دشمن کی قید میں ہیں۔

الضاربات خدودھن برنة الداعیات نبیھن محمد

جو چیخ وپکار کے ساتھ اپنے رخسار پیٹتی ہیں اور اپنے نبی محمد ﷺ کو پکار تی ہیں ۔

القائلات اذا خشین فضیحة جھدالمقالة لیتنا لم نولد

ذلت و رسوائی کے خوف سے وہ سخت ترین بات کہتی ہیں کہ اے کاش!ہم پیدا ہی نہ ہوتیں۔

مانستطیع ومالھا من حیلة الا التستر من اخیھا بالید

[1] تفسیر القرطبی،سورۃ النساء: ۷۵۔

نہ وہ طاقت رکھتی ہیں اور نہ ہی کوئی حیلہ کرسکتی ہیں سوائے اس بات کے کہ ہاتھ کے ساتھ اپنے بھائی سے پردہ کریں‘‘۔[1]

(۴) ’’اذا استنفر الامام افراداً أو قوماً وجب علیهم النفير‘‘

’’جب امام کچھ افراد یا کسی قوم سے جہاد کے لئے نکلنے کا مطالبہ کرے ،تو ان سب پر فرض ہوجاتا ہے کہ نکلیں۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا اسْتَنْفَرْتُمْ فَانْفِرُوْا))۔[2]

’’جب تم سے جہاد میں نکلنے کے لئے کہا جائے تونکل جاؤ‘‘۔

جب مسلمانوں سے نکلنے کا مطالبہ ہوتو اس حکم کو شریعت کی اصطلاح میں ’’نفیر عام ‘‘کہا جاتا ہے۔ اور یہ دو صورتوں میں فرض ہوجاتا ہے:

(الف) جب امام جہاد کے لئے پکارے ۔

(ب) جب مسلمانوں کو مدد کی ضرورت پڑجائے ،خواہ کوئی پکارے یا نہ پکارے۔

چنانچہ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ’’موطا امام مالک ‘‘کی شرح میں لکھتے ہیں :

[1] سیراعلام النبلاء۸ \ ۴۰۸۔
[2] صحیح البخاری،ج:۹،ص:۴۲۷،رقم الحدیث:۳۴۶۸۔صحیح البخاری،ج:۱۰،ص:۳۰۹،رقم الحدیث:۲۸۴۸۔

''یہ ضروری نہیں کہ کوئی خاص شخص مسلمانوں کو یہ کہہ کر پکارے کہ آؤجہاد کرو، مقصود یہ ہے کہ ایسی حالت پیدا ہوجائے جو ''نفیر'' کا تقاضہ کررہی ہو۔پس جب کافر وں نے بلادِ اسلامیہ (پر حملے کا)قصد کیا اور مسلمانوں اورکافروں میں لڑائی شروع ہوگئی تو جہاد ''فرض ''ہوگیا،اور جب دشمنوں کی طاقت ان ممالک کے مسلمانوں سے زیادہ قوی ہوئی اور مسلمانوں کی شکست کا خوف ہوا،تو یکے بعد دیگرے تمام مسلمانانِ عالم پر جہاد فرض ہوگیا، خواہ کوئی پکارے یا نہ پکارے ،یہی حال تما م فرائض کا ہے ۔نماز کا جب وقت آجائے تو خواہ مؤ ذن کی صدائے حی علی الصلوٰۃ سنائی دے یا نہ دے ،وقت کا آنا وجوب کے لئے کافی ہوتا ہے۔''۔

امام ابن قدامہ بھی فرماتے ہیں:

''فان عدم الامام لم یؤخر الجھاد لأ ن مصلحتہ تفوت بتأ خیرہ''[1]

''پس امام کی عدم موجودگی کی وجہ سے جہاد مؤخر نہ ہوگا ،کیونکہ تاخیر کرنے سے جہاد کی مصلحت فوت ہوجائے گی''۔

اس مسئلہ کو مزید واضح کرتے ہوئے امام ابن العربی ؒفرماتے ہیں:

''ایسے حالات بھی پیدا ہوسکتے ہیں جب''نفیرِعام''(یعنی ہر ایک کا نکلنا)فرض ہوجائے۔لہٰذا دشمن جب مسلمانوں کی کسی سرزمین پر حملہ آور ہوں یا ان کے کسی علاقہ کو گھیر لے توجہاد ''تعین ''کے ساتھ ہر ایک پر

[1] المغنی :۸/۲۵۳۔

فرض ہوجاتا ہے اور تمام لوگوں کے لئے جہاد کرنا اور اس کی خاطر گھروں سے نکلنا لازم ہوجاتا ہے ایسے میں اگر وہ ادائیگیٔ فرض میں کوتاہی کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔پس اگر نفیرِ عام کا حکم اس وجہ سے ہوکہ دشمن ہمارے کسی علاقے پر قبضہ کرلے یا مسلمانوں کو پکڑ کر قیدی بنالے تو سب پر جہاد فرض ہوجاتا ہے کہ وہ جہاد کے لئے نکلیں،اور ہر حال میں نکلیں ،خواہ ہلکے ہو یا بوجھل،سوار ہوں یا پیدل، غلام ہو یا آزاد...........جس کے والد زندہ ہوں وہ ان کی اجازت کے بغیر نکلے اور جس کے والد فوت ہوچکے وہ بھی نکلے (اور جہاد کرتا رہے)یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب آجائے، مسلمانوں کی سرزمین سے دشمن کا شر دور ہوجائے ،اسلامی سرحدیں محفوظ ہوجائیں ،دشمن رسوا ہوجائے ،سارے مسلمان قیدی آزاد ہوجائیں ....اور اس بارے میں ان علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ لیکن (سوال یہ ہے کہ)اگر سب لوگ ہی جہاد چھوڑ کر بیٹھے رہیں تو اکیلا بندہ کیا کرے؟اسے چاہیے کہ وہ کوئی قیدی تلاش کرے اورپیسے دے کر آزاد کرائے ،اور اگر قدرت رکھتا ہو تو اکیلا ہی قتال کرے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو کسی مجاہد کوتیار کرے اور اسے سامان فراہم کرے‘‘۔[1]

اسی طرح جب مسلمانوں حکومت کرنے والا شخص ہی ’’کفر بواح ‘‘کا مرتکب ہوجائے تو اس کے خلاف بھی جہاد ’’فرض عین ‘‘ہوجاتا ہے۔چنانچہ مشہور حدیث رسول ہے:

[1] احکام القرآن:۲/۹۵۴۔

((دعانا رسول اللّٰہ ﷺ فبایعنا، فکان فیما اخذ علینا ان بایعنا والطاعۃ فی منشطناومکرھنا وعسرنا ویسرنا علینا وان لا ننازع الامر اھلہ قال الا ان تروا کفرا بواحاعندکم من اللّٰہ فیہ برھان))[1]

’’ہمیں بلایا رسول اللہ ﷺ نے، پس آپ نے ہم سے اس بات پر بیعت لی کہ ہم سنیں گے اطاعت کریں گے چاہے حالات سخت ہوں یا سازگار ،خوشی ہو یا غمی، ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے پھر بھی اور ہم اہل حکومت سے اختیارات واپس نہ لیں سوائے اس صورت کے کہ ان سے ایسا ’’واضح کفر‘‘سرزد ہوجائے جس کے کفر ہونے پر اللہ کے دین میں صریح دلیل موجود ہو‘‘

اس کے تحت مشہور حنفی محدث و فقیہ ملا علی قاری ہفرماتے ہیں:

’’اجمعوا علی ان الامامۃ لا تنعقد لکافر ولو طرأعلیہ الکفر انعزل‘‘[2]

’’اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ کوئی کافر مسلمانوں کا حاکم نہیں بن سکتا اور اگر کوئی حاکم بننے کے بعد کفر کا ارتکاب کرے تو (خودبخود)معزول قرار پائے گا‘‘۔

قاضی عیاض ہفرماتے ہیں:

’’اگر کوئی حکمران کفر کا ارتکاب کرے ،یا شریعت میں کوئی ردوبدل کرے ،یا کوئی بدعت جاری کرے تو وہ بطور حکمران باقی نہیں رہتا ،اس کی اطاعت ’’ساقط‘‘ہوجاتی ہے اور

[1] صحیح مسلم ج:۳ص:۱۴۷۰۔
[2] مرقاۃ المفاتیح؛ج:۱۱،ص:۳۰۳۔

مسلمانوں پر واجب ہوجاتا ہے کہ اگر وہ قدرت رکھتے ہوں تو اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اسے ہٹاکر اس کی جگہ کوئی عادل حکمران مقرر کریں۔ نیز اگر پوری امت میں سے محض کوئی ایک گروہ یہ قدرت رکھتا ہو تو اس گروہ پر واجب ہوگا کہ وہ اس کافر حاکم کو اس کے منصب سے ہٹائے ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :

’’ اگر حکمران نے کسی اہم ’’دینی امر‘‘کی مخالفت کی تو اس کے خلاف قتال جائز ہوگا بلکہ واجب ہوگا ۔ اس لئے کہ اب اس نے اپنی افادیت ختم کر دی ہے اور قوم کے لئے مزید’’ فساد و بگاڑ‘‘ کا سبب بن رہا لہذا اس ک خلاف قتال ’’جہاد فی سبیل اللہ‘‘کہلائے گا۔‘‘[1]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

’’خلاصۂ کلام یہ کہ اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ حکمران کفر کی بناء پر (ازخود)معزول ہوجاتا ہے اور ہر مسلمان پر اس کے خلاف خروج میں حصہ ڈالنا واجب ہوجاتا ہے ۔ پھر جو اس کی قدرت رکھے اور اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو وہ ثواب کا مستحق ہوگا،اور جو کوئی (قدرت کے باوجود)مداہنت و مصالحت کا رویہ اپنائے وہ گناہ گار ٹھرے گا اور جو کوئی اس کافر حکمران کے خلاف اٹھنے کی قدرت نہ رکھے ،اس پر واجب ہے کہ وہ اس سرزمین سے ہجرت کرجائے‘‘۔ [2]

[1] حجة اللّٰہ البالغة،ج:۲ص:۳۹۹۔
[2] فتح الباری،۱۳/۱۲۳۔

درجِ بالا چاروں شرائط کا اگر بغور جائزہ لیاجائے کسی بھی عقل وشعور رکھنے والے شخص کے لئے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آج مسلمانوں کے مجموعی حالات یا صورتحال میں کوئی ایک بھی سبب جہاد کے ’’فرضِ عین‘‘ہوجانے کے حوالے سے شایدنہ رہ گیا ہو؟

آج کفار و مشرکین مسلمانوں کے اکثر علاقوں میں قابض ہوچکے ہیں یااُن کا اثر ونفوذ ان علاقوں میں اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ عملاً ان ہی کی عملداری ہوچکی ہے اور وہ ان علاقوں میں مسلمانوں کے جان ومال،عزت وآبروکو اپنے لئے حلال سمجھ چکے ہیں ، کفار ومشرکین اور مسلمانوں کے لشکر پوری دنیا میں باہم مقابل ہیں ، آج مسلمانوں کے اکثرمقبوضہ علاقوں کے رہنے والے مسلمان مدد ونصرت کے محتاج ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کی اکثریت آج الحمد اللہ !ایک شخص کو مسلمانوں کا’’امیر المومنین‘‘تسلیم کرتے ہوئے مختلف محاذوں پر مقامی امراء کی قیادت میں کفارو مشرکین سے برسر پیکار ہیں اور آج مسلمان عورتوں اور مردوں کی ایک کثیر تعداد کفار ومشرکین کی قید میں ہیں، چاہے وہ ابوغریب جیل ہو یا کیوبا کے گوانتا نامو کا عقوبت خانہ، کابل میں قائم مشہور زمانہ بگرام جیل ہو یا کفارو و مشرکین کے علاقوں کے علاوہ بلادِ اسلامیہ بشمول پاکستان ،مصر ،ترکی ،سعودی عرب وغیرہ میں پھیلے ہوئے عقوبت خانے،جن میں اُن پر ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑے جارہے ہیں جن کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

لٰہذاآج جس شخص پربھی یہ ’’محکم دلائل ‘‘واضح ہوجائیں پھر بھی اس کو مسلمانوں پر جہاد کے فرضِ عین بلکہ ’’اہم ترین فرضِ عین ‘‘ہونے میں کوئی شکَ یا تردد یا ابہام ہو،یاوہ لوَگ جو اس’’فرض عین‘‘ کی ادائیگی میں مصروف ہوں ان کو وہ بس ’’کلہاڑے

‘‘چلانے والے،نفسانی خواہشات پرچلنے والے،بیوقوف،بے عقل اور جہنم کا حقدارثابت کرے تویہ کیفیت کسی کی نہیں ہوتی سوائے اس شخص کے جس کے دل اور کانوں پر اللہ رب العزت کی طرف سے مہر لگ گئی ہو اور آنکھوں پر حجاب آگیا ہو اور اس کے لئے ہدایت کے بدلے گمراہی اور نجات کے بدلے بربادی لکھ دی گئی ہو۔ چنانچہ قرآن اس کیفیت کو جس بیماری سے تعبیر کرتا ہے اس کو ’’نفاق ‘‘کہتے ہیں:

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأَوْلَى لَهُمْ ﴾[1]

’’اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے کہا کہ(جہادسے متعلق)کیوں کوئی سورہ نازل نہیں ہوتی ؟پس جب نازل ہوگئی ایسی محکم سورہ جس میں (واضح)ذکر تھا قتال کاتو آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا)مرض تھا وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگے جیسے کسی شخص پر موت کی غشی طاری ہورہی ہو۔پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے ‘‘۔

جب کفار حملہ آور ہوں تو’’دعوت‘‘ساقط ہوجاتی ہے:

تبلیغی جماعت کے اکابرین عام مسلمانوں کے سامنے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ چاہے مسلمان کفر و ارتداد کی طرف جارہے ہوں یا پھر کفار مسلمانوں کی سرزمین پر حملہ آور ہوجائیں اور

---

[1] سورۃ محمد/القتال:۲۰۔

مسلمانوں کی عزت وجان سے کھیل رہے ہوں،پھر بھی مسلمانوں پر صرف اور صرف ایک چیز لازم ہے اور اسی میں ان کی نجات ہے اور وہ ہے ''دعوت و تبلیغ''۔ چناچہ اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمدصاحب بہاولپوروالے کہتے ہیں :

''اور (آج)ہم ایسے رحیم وکریم ہیں کافروں پر کہ ہم کہتے ہیں کہ ہم تم سے مقابلہ کرلیں گے (لیکن تم پر)اللہ کی مار نہیں پڑوانا چاہتے ۔ کیونکہ اللہ کی مار تو جب پڑے گی جب ہم ''دعوت''دیں گے اور ہم دعوت دیتے ہی نہیں ،اس واسطے اللہ کی مار کیسے آئے گی؟اس لئے میں کہاکرتا ہوں کہ اللہ نے عقل و سمجھ دی ہے کہ اس وقت جتنے ''مجاہدین''ہیں ،دنیا میں کبھی بھی اتنے نہیں ہوئے،اور جتنی مار اس وقت پڑرہی ہے اتنی کبھی نہیں پڑی۔سوچوتو سہی کہ قصہ کیا ہے آخر ؟بدر میں ایک ہتھیار اور ایک تلوار نہیں اور وہ (کفار)تین گنا ہیں اور ان پر غالب ہیں اور یہاں ساری مار پڑ رہی ہے۔۔۔اللہ نے عقل دی ہے سوچنا چاہیے !ایسے ہی نہیں کہ (لنگوٹ کس کس) کہ چلتے چلے جائیں''۔[1]

مزید کہتے ہیں :

''دماغ تمہارا خراب ہوگیا ہے !کیا ہوگیا ہے تمہیں ؟کہاں گئی عقل تمہاری ؟جو چیز اللہ کے نظام میں نہیں ہے آپ کس طرح سے اس کو چلائیں گے۔۔ اللہ کہتا ہے کہ گراہوا دین چاہے بالکل چلا جائے اور آدمی کفر میں داخل ہوجائے اور چاہے کافرانہ زندگی مسلمانوں نے اختیار

[1] اسلام آباد اجتماع ۔اگست ۲۰۰۹،۔بحوالہ سرحد اسلامی کیسٹ ہاؤس ،راولپنڈی۔

کرلی ہو،ان کے نکالنے کا طریقہ صرف''دعوت'' ہے اور کوئی نہیں''۔[1]

''یہ جو لوگ کہتے رہتے ہیں نا کہ اللہ کی مدد کیوں نہیں آتی ؟آپ نے اللہ کی مدد کا دروازہ ہی بند کردیا ہے !مدد کوئی کافر سے ''لڑنے ''پر تھوڑی آتی ہے ،مدد تو اس پر کہی تھی کہ ''دعوت والوں''کے مقابلے پر کافر آئے گا تو مار کھائے گا''۔[2]

اب جبکہ یہ بات کسی صاحب عقل وفہم سے مخفی نہیں اور نہ ہی اس حقیقت سے کسی شخص کے لئے راہِ فرار ممکن ہے کہ فی الواقع آج پوری امت مسلمہ پر جہاد''فرض عین''ہوچکا ہے تو اس کے بعد شریعت کا یہ مسئلہ بھی مسلمانوں کے ذہن میں واضح ہونا چاہیے کہ ایسی صورت میں جبکہ کفار حملہ آورہوں تو ان کو ''دعوت ''دینے کا حکم ساقط ہوجاتا ہے۔

چونکہ تبلیغی جماعت کے اکابرین اپنی''مروجہ دعوت و تبلیغ''کے لئے نہ صرف مسلمان علاقوں میں لوگوں کو جماعت کی صورت میں روانہ ہونے کی ترغیب دیتے ہیں بلکہ عالمی سطح پر خاص کر کفار کے علاقوں(مثلاً امریکہ ویورپ وغیرہ) میں بھی اپنی جماعتوں کوبھیجتے ہیں یہاں تک کہ اسرائیل میں بھی اپنی جماعت بھیجنے کے خواہاں نظر آتے ہیں اور اس کے لئے لوگوں سے چار چار مہینے ،سات سات مہینے اور سال سال بھر کے لئے نکلنے کے تقاضے کئے جاتے ہیں،اس کے ساتھ ساتھ اس کام کو دین اسلام کا سب سے اہم ترین فرض قرار دے کر اس پر جہاد و قتال کے فضائل و احکامات کو منطبق بھی کئے جاتے ہیں لہٰذا

---

[1] کراچی اجتماع ۲۹جولائی ۲۰۰۷،بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔

[2] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۷ء بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔

کفار کو’’دعوت اسلام‘‘دینے کے جو شرائط و احکامات شریعت نے واضح کئے ہیں اس کو مختصراً سمجھ لیتے ہیں تاکہ عام مسلمانوں کے سامنے اس مسئلے کے بارے میں اصل حقیقت سامنے آجائے۔

کفار کے سامنے دین اسلام کی دعوت پیش کرنے کے حوالے سے سب سے پہلی صورت یہ ہے کہ ’’اقدامی جہاد‘‘ہو یعنی مسلمان کفار پر حملہ آور ہوتو اس صورت میںکفار کے سامنے دین اسلام کی دعوت پیش کرنا واجب ہے جبکہ ان تک یہ دعوت کسی بھی ذریعے سے نہ پہنچی ہواور اگر یہ دعوت پہنچ گئی ہوتو پھر یہ دعوت دینا مستحب ہے،یعنی پسندیدہ ہے اور چھوڑنے پر گناہ نہیں۔امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

> ’’اگر ان کفارتک اسلام کی دعوت بالکل نہیں پہنچی ہے تو امیر الحرب کے لئے ان سے لڑنا مناسب نہیں ہے اور اگر ان کو اسلام کی دعوت پہنچی ہے تو پھر امیر الحرب کے لئے مستحب ہے کہ لڑائی سے پہلے ان کو دعوتِ اسلام دے ورنہ جزیے کی ادائیگی کا کہے ۔تاہم اگر واجب دعوت سے پہلے پہلے کسی نے کسی کافر کو قتل کردیا تو دیت و قصاص نہیں ہے‘‘ [1]

جیساکہ یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ ’’اقدامی جہاد ‘‘میں کفار تک اگردعوت پہنچی چکی ہوتو ان کو دوبارہ دعوت دینا گوکہ مستحب ہے لیکن اگر اس دعوت دینے میں جنگی حکمت عملی کے تحت مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتو پھر دعوت نہیں دی جائے گی ۔چناچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ’’در مختار ‘‘سمیت دیگر کتابوں میں یہ مسئلہ واضح طور پر لکھا ہے کہ :

[1] رحمۃ الامت فی اختلاف الائمۃ،ص:۲۹۳بحوالہ دعوت جہادص: ۵۸۔

’’اگر ہم نے کفار کا محاصر کرلیا ہو............ توجن کفار تک اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ان سے قبل از دعوت لڑنا جائز نہیں ہے لیکن جن کفار تک دعوت پہنچی ہو تو ان کو پھر دعوت دینا مستحب ہے۔ ہاں اگر اس دعوت میں جنگی حکمت عملی کے تحت ہمیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو توپھر دعوت نہیں دی جائے گی ۔اگر کفار نے جزیہ قبول کرنے سے بھی انکار کردیا تو پھر ہم اللہ کا نام لے کر ان سے لڑیں گے ۔ منجنیق (قدیم زمانے میں اس ہتھیار سے دشمن پر بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے)سے ان پر گولے باری کریں گے،آگ سے انہیں جلائیں گے یا پانی میں ڈبوئیں گے اور ضرورت پڑنے پر ان کے باغات اور کھیتوں کو بھی تباہ کردیں گے‘‘۔

اسی طرح فقہ حنفی کی مشہور کتاب ’’ہدایہ‘‘میں یہ بات مذکور ہے کہ:

’’جس شخص کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو دعوت دینے سے پہلے اس سے لڑنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺاپنے فوجی کمانڈروں کو یہ وصیت فرمایا کرتے تھے کہ ’’ان کفار کو پہلے کلمۂ شہادت کی دعوت دیا کرو‘‘اور اگر ان کو دعوت پہنچی ہے تو پھر دعوت دینا مستحب ہے کہ دعوت دینے میں خوب مبالغہ ہوجائے لیکن یہ دعوت واجب نہیں ہوگی کیونکہ نبی کریم ﷺکی یہ صحیح حدیث ہے کہ آپ نے بنی مصطلق پر اس طرح چھاپہ مارکر ہلہ بول دیاتھا کہ وہ لوگ بالکل بے خبر تھے اور اسی طرح آپ نے اسامہ بن زیدؓکو حکم دیا تھا کہ صبح سویرے علاقے ’’ابنی‘‘کے لوگوں پر چھاپہ مار کاروائی کرو اور پھر علاقے میں آگ لگادو(ظاہر ہے)کہ چھاپہ

مارکر غارتگری کی کاروائی دعوت کے ساتھ نہیں ہوسکتی ہے‘‘۔[1]

یہ بات بھی واضح رہے کہ کفار تک دعوت اسلام پہنچنے کا مطلب کیا ہے اور اس کا معیار کیا ہے؟فقہاء نے اس کو یوں واضح کیا ہے:

’’دعوت پہنچنا دو قسم پر ہے ،حقیقتاً یا حکماً، اور حکماً اس طرح ہوتا ہے کہ مغرب و مشرق میں مشہوراور عام ہوجائے کہ یہ مسلمان کس چیز کی طرف بلاتے ہیں اور کس چیز پر ’’لڑتے ہیں ‘‘چنانچہ اس ظاہری شہرت کو حقیقت کا قائم مقام سمجھا جائے گا‘‘۔[2]

اسی لئے امام مالک ؒفرماتے ہیں :

’’جن کفار کے گھر ہمارے قریب ہو تو ان کو ’’دعوت اسلام‘‘دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ بوجہ پڑوسی کے دعوت الی الاسلام کو جانتے ہیں (مگر مانتے نہیں)۔اس لئے ان کے ساتھ لڑائی لڑی جائے گی اور ان کی غفلت کا انتظار نہیں کیاجائے گا ،اور جن کے گھر ہم سے دور ہوں تو ان کو دعوت دینا ضروری ہے تاکہ شک و شبہ دور ہوجائے‘‘۔[3]

اسی لئے بعض فقہاء کے نزدیک اب کافروں کو’’اقدامی جہاد ‘‘سے پہلے دین اسلام کی طرف دعوت دینا ضروری ہی نہیں سمجھتے۔امام شافعیؒفرماتے ہیں :

---

1 ہدایہ،جلد۱صفحہ ۵۶۰۔

2 فتح القدیر،ج:۵ص:۱۹۶۔

3 رحمۃ الامت فی اختلاف الائمہ،ص:۲۹۳بحوالہ دعوت جہادص:۵۷۔

’’ میں آج کسی مشرک کو ایسا نہیں پاتا کہ اس کو کسی نے کسی طریقے سے اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ ہاں ممکن ہے کہ مملکت ترکیہ کے پیچھے کچھ مشرک قومیں ہو ں یا خزر (چیچنیا)کے پیچھے کچھ ایسے لوگ ہوں جن تک دعوت نہ پہنچی ہو تو ان لوگوں سے اگر لڑائی لڑنی ہوتو دعوت اسلام سے پہلے لڑائی نہیں ہونی چاہیے‘‘۔[1]

امام ترمذی ؒایک حدیث کی شرح میں’’دعوت‘‘کے حوالے سے سلف کے اقوال یوں نقل کرتے ہیں:

’’وقال بعض اهل العلم لادعوة اليوم وقال أحمد لا أعرف اليوم أحداًيدعى‘‘[2]

’’ اور بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ آج دعوت کی ضرورت نہیںاور امام احمد بن حنبلؒفرماتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ آج کل کسی(کافر)کو دعوت دینا ضروری ہے‘‘۔

یہ ہیں وہ احکامات جو کہ ’’اقدامی جہاد ‘‘کی صورت میں دعوت الی الاسلام کے لئے شریعت نے واضح کئے ۔

لیکن جب کفار حملہ آور ہوجائیں،تو فقہاء کرام کے نزدیک یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ:

’’وَاِنْ هَجَمُوْاعَلَيْنَا سَقَطَتِ الدَّعْوَةُ‘‘[3]

---

1 رحمۃ الامت فی اختلاف الائمۃ،ص:۲۹۳بحوالہ دعوت جہادص:۵۷۔

2 سنن الترمذی،ج:۶،ص:۳۷،رقم الحدیث:۱۴۶۸۔

3 الکوکب الدری شرح ترمذی صفحہ۴۱۳،از مفتی رشید احمد گنگوہی ؒ۔

’’ اگر کفار نے ہم پر چڑھائی کر کے حملہ بول دیا تو دعوت ساقط ہوجائے گی‘‘۔

یہاں دعوت کی صرف ایک صورت باقی رہ جاتی ہے۔ اس کو فقہاء کرام یوں بیان کرتے ہیں:

’’الجهاد دعوة قهرية ‘‘[1]

’’جہاد قوت وغلبہ کے ذریعے ’’دعوت ‘‘پھیلانے کا نام ہے ‘‘۔

سوچنے اور غور و فکر کا مقام ہے کہ آج جبکہ معاملہ یہ ہوکہ پوری امت مسلمہ پر جہاد کے ’’فرض عین ‘‘ہونے کے سارے اسباب وشرائط پورے ہوچکے ہوں تو ایسی صورت میں بجائے مسلمانوں کو اس ’’فرض عین‘‘کی ادائیگی یا اس کی تیاری کرنے کے لئے پکارا جائے یاکم از کم اس ’’فرض عین‘‘ کی ادائیگی کرنے والے کی مدد و نصرت کی جائے اور اس پر عام مسلمانوں کو ابھارا جائے ،حالت یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین کی جانب سے دوطرفہ طرز عمل اختیار کیا جاتا ہے۔ایک طرف وہ شریعت کی طرف سے عائد کردہ اس ’’فرض عین‘‘ کی ادائیگی کی طرف کوئی توجہ نہیں دلاتے جوکہ ازروئے شریعت نماز ،روزہ ،حج سے بھی زیادہ مقدم ہوجاتاہے بلکہ اس فرض عین کی ادائیگی کرنے والوں سے انتہائی نفرت اور بغض و عناد کا اظہار کیا جاتا ہے اور عام مسلمانوں کے سامنے ان کو گمراہ اور بھٹکا ہوا ثابت کیا جاتا ہے۔

اور دوسری طرف محسوس ایسا ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں کو اس فرض عین سے غافل رکھنے اور اس کی ادائیگی کے لئے مال و جان سے قربانی دینے کے جذبے کو ٹھنڈا رکھنے کی خاطر ان کواپنی’’مروجہ دعوت تبلیغ

[1] حاشية الشروانی وابن القاسم علی تحفة المحتاج علی المنهاج :۹/۲۱۳۔

’’کے نام پرایسے عمل کی طرف لگادیا جاتا ہے۔ جس کا آج کے حالات میں عام مسلمانوں سے تقاضہ ہی نہیں ہے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ اہل ایمان جوکہ آج شریعت کی طرف سے عائد کردہ ’’فرض عین ‘‘کی ادائیگی یعنی ’’دفاعی جہاد ‘‘میں مصروف ہیں،ان پر بہتان لگانا اور یہ افتراء بازی کرناکہ انہوں نے کافروں پر ’’دعوت کی حجت‘‘تو قائم کی نہیں اورخوامخواہ کفار کے خلاف جہاد کے لئے کھڑے ہوگئے ہیں ۔

بات یہ ہے کہ جب فقہاء کرام’’اقدامی جہاد‘‘کے لئے یہ سمجھتے ہیں کہ کفار کو دعوت اب واجب نہیں رہی تو آج کیوں’’دفاعی جہاد‘‘کے لئے دعوت کو پہنچانے کا ہی نہیں بلکہ اس کی حجت تمام کرنے کوبطور ’’فرض‘‘دفاعی جہاد کرنے والوں پر عائد کیا جاتا ہے۔کیا ’’اکرام مسلم ‘‘کا یہی تقاضہ ہے کہ ایک آدمی کے گھر قاتل اور ڈکیت گھس آئیں اور وہ اس کے گھرکا نہ صرف مال و متاع لوٹ رہے ہوں بلکہ اس کی عزت وناموس سے بھی کھیل رہے ہوں اور اس کے گھر والوں کا قتل عام بھی کررہے ہوں توہم بجائے اس کی مدد و نصرت کرنے کے، اس کو یہ مشورہ دیں کہ’’ تم اپنے مال ومتاع لوٹنے والے قاتلوں سے نہ لڑوبلکہ ان کو ہمدردی ،پیار و محبت اور امن وآشتی سے نصیحت کروکہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے اور نہ صرف نصیحت کروبلکہ ان پر اس کے کام کے نقصانات اور وبال کو مدلل دلائل سے ہمدردانہ طور پرواضح کرو اوراس حوالے سے ان پر پوری حجت تمام کرو اور اس کے ساتھ ساتھ تم اپنے اعمال و اخلاق بھی اس دوران درست کرنے کی کوشش کروپھر کہیں جاکر تم ان سے لڑسکتے ہوورنہ بصورت دیگر تم خود ہی اس تمام صورتحال کے ذمہ دار ٹھروگے‘‘۔

تھوڑی سی بھی سمجھ بوجھ والا شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کرے گا کی ایسا مشورہ دینے والے لوگ

نہ صرف عقل ودانش سے محروم ہوچکے ہیں بلکہ بنیادی انسانی احساسات سے بھی بالکل عاری ہوچکے ہیں۔رسول اللہ ﷺکے پاس آکر ایک صحابی نے دریافت کیا:

((یارسول اللّٰہ! أرأیت ان جاء رجل یرید اخذ مالیقال فلا تعطہ مالک قال أرأیت ان قاتلني قال قاتلہ قال أرأیت ان قتلنی قال فأنت شھید قال أرأیت ان قتلتہ قال ھو فی النار))[1]

’’یارسول اللہ !اگر کوئی آدمی میرے پاس آئے اور میرا مال چھیننا چاہے تو میں کیا کروں؟تو رسول اللہ ﷺنے فرمایا :اسے اپنامال مت دو‘‘اس نے کہا کہ اگر وہ مجھ سے لڑے؟تو آپﷺنے فرمایا:’’تو تم بھی اس سے لڑو‘‘۔اس شخص نے پوچھا کہ اگر مجھے وہ قتل کردے ؟توآپﷺنے فرمایا :’’تو تم شہید ہوگے‘‘۔اس نے پوچھا کہ اگر میں اس کو قتل کردو؟تو آپ ﷺنے فرمایا:’’وہ جہنم میں جائے گا‘‘۔

سلف صالحین اور علمائے امت نے ان ہی احادیث کی بنیاد پر ’’عدوّصائل ‘‘کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ دشمن ہے جوکہ اُن ’’ضروریات خمسہ ‘‘(پانچ بنیادی ضروریات)پر حملہ آورہوجائے جس کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو نازل فرمایا ہے۔ ضروریات خمسہ پانچ ہیں :

(۱) دین

(۲) جان

(۳) عزت /نسل

[1] صحیح مسلم،ج:۱،ص:۳۴۰،رقم الحدیث:۲۰۱۔

(۴) عقل

(۵) مال

’’ضروریات خمسہ ‘‘بھی ایک شرعی اصطلاح ہے جس کو فقہاء کرام نے احادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ’’ضروریات خمسہ ‘‘کے دفاع میں مارے جانے والے کو شہید قرار دیا ہے:

((من قتل دون مالہ فھو شھید،ومن قتل دون دینہ فھو شھید،ومن قتل دون دمہ فھوشھید،ومن قتل دون أھلہ فھو شھید))[1]

’’جو شخص اپنے مال کے دفاع کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے ،جو اپنے دین کا تحفظ کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپناجان بچاتے ہوئے مارگیا وہ شہید ہے اور جواپنے اہل خانہ کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ بھی شہید ہے‘‘۔

درج بالا حدیث میں چار چیزوں کا ذکر ہے جبکہ ایک اور حدیث میں پانچویں چیز کا ذکر یوں ہے :

((من قتل دون مظلمتہ فھو شھید))[2]

’’جو شخص اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے‘‘۔

ضروریاتِ دین میں فقہاء کرام کی قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کردہ ترتیب کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا

---

[1] النسائی،ج:۱۲ص:۴۶۵رقم:۴۰۲۷۔مسنداحمد، ج:۴ص:۷۶رقم: ۱۵۶۵۔ وابوداود،ج:۱۲ص:۳۸۸رقم:۴۱۴۲۔ الترمذی،ج:۵ص: ۳۱۵رقم:۱۳۴۱و قال الترمذی حدیث حسن صحیح ۔

[2] سنن النسائی،ج:۱۲،ص:۴۶۱رقم:۴۰۲۵۔مسنداحمد،ج:۶ ص: ۱۷۵رقم:۲۶۴۳۔

چاہیۓ۔اس ترتیب کے مطابق دین کی حفاظت جان،عزت،عقل اور مال سب پر مقدم ہے۔

چنانچہ اب اس بات کو سمجھ لینا بھی مشکل نہیں ہوگا کہ رسول اللہ ﷺنے ایسے حالات میں جبکہ صرف دنیاوی مال لٹنے کا خطرہ تھا، یہ حکم نہیں دیا کہ تم صبر کرو ،اس کو سمجھاؤ،اس پر حجت تمام کرو۔تو آج پھر کسی شخص کوکیسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مسلمانوں پر یہ چیز لازم کرے کہ وہ ’’دین و دنیا ‘‘کو ہر لحاظ سے تباہ و برباد کرنے کے لئے آنے والے دشمنوں سے دفاع کرنے کے بجائے صبر سے کام لیں،پہلے ان کو دعوت دیں ،ان کو سمجھائیں ،حجت تمام کریں پھر کہیں جاکران سے لڑیں وہ بھی اگر مساوی طاقت ہو،ورنہ اس کی بھی ضرورت نہیں۔چناچہ جو کوئی بھی اس طرح کی بات کرے اور اس بات کی اللہ اور اس کے رسول ﷺکی طرف نسبت کرے تو اس سے بڑھ کر دین اسلام کی جڑیں کھودنے والا کوئی نہیں۔

تبلیغی جماعت کے متعلقین واحباب سے ایک ہمدردانہ گزارش:

ضمناًایک ہمدردانہ گزارش تبلیغی جماعت کے متعلقین واحباب کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح کلمہ طیبہ کی صرف زبان سے ادائیگی نجات کا باعث نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کے عملی تقاضوں کا ’’علم‘‘حاصل کرکے اس پر عمل نہ کیا جائے ۔اسی طرح کسی بھی منہج اور فکر کی بنیاد پر کی جانے والی جدوجہد اور چلت پھرت اللہ کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل نہیں کرسکتی جب تک کہ اس بارے میں ’’علم‘‘حاصل نہ ہوجائے کہ آیا یہ منہج اور فکر شریعت کے عین مطابق ہے یانہیں۔چنانچہ تبلیغی جماعت کے متعلقین و احباب کوبھی اس بات کی طرف توجہ دینی

چاہیے کہ کہیں ’’دین سے لاعلمی ‘‘کی وجہ سے ان کے شب وروز کی ساری محنتیں اورکاوشیں ’’اصل فریضہ‘‘(یعنی جہادجس کی وضاحت اوپر گزرچکی ہے)کی ادائیگی کے بجائے کہیں اُس کام کے لئے لگ رہی ہوں جس کا تقاضہ شریعت نے ان سے کیاہی نہیں چنانچہ مسلمانوں کاوقت کے اہم ترین ’’فرض عین ‘‘یعنی جہادکے فریضہ کی ادائیگی کے بجائے ایک طرف حملہ آور کفار کو دعوت دینے کے لئے ان کے علاقوں میں ان کے’’کفریہ قوانین‘‘ کو تسلیم کرتے ہوئے جانااور دوسری طرف جہادجبکہ وہ فرض عین ہونے کی وجہ سے نماز، روزہ ،حج سے بھی مقدم ہوچکا ہوتو مسلمانوں کاصرف ان ارکان اسلام کے فضائل اور ذاتی واخلاقی اصلاح کی طرف متوجہ رہنا اوراصل فریضہ کی ادائیگی سے عدم توجہی اور غفلت برتناکہیں ان کی ساری محنتیں اور کوششیں رائیگاں وبیکار ٹہرنے کا سبب نہ بنیں۔چناچہ وہ اپنی تمام کوششوں اور محنتوں کواب قرآن وسنت اور سلف وصالحین کے بیان کردہ ’’علم شرعی‘‘پر پَرکھیں ورنہ بصورت دیگر اُس با ت کے واقع ہونے کا شدید اندیشہ ہے جس کا ڈر خود تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا الیاس دہلوی ؒکو اپنے آخری ایام میں ہوگیا تھا اور نہایت علالت کے باوجود اس کا اظہار انہوں نے اپنی جماعت کے اراکین کے سامنے کردیا تھا،جس کو مولانا زکریا صاحب مرحوم ہی اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں:

’’ایک دن بعد نماز فجر جبکہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا اور حضرت مولانا (الیاسؒ)کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دوچار الفاظ باآواز نہیں فرماسکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا اور اس کے واسطے سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ :

’’آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بیکار ہوگی اگر اس کے ساتھ ’’علم دین ‘‘اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر یہ دونوں چیزوں کی طرف سے تغافل برتاگیا تو یہ جدوجہدمبادا ’’فتنہ اور ضلالت‘‘کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے دین کااگر علم ہی نہیں تو اسلام اور ایمان محض رسمی اور اسمی ہے.لہذا ’’علم ‘‘اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے ورنہ آپ کی یہ ’’تبلیغی تحریک ‘‘بھی بس ایک آوارہ گردی ہوکر رہ جائے گی اور خدانکر وہ آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے‘‘۔[1]

۔چوتھی اصطلاح۔

[1] تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات ‘‘از مولانا زکریا صاحب مرحوم۔ص:۲۳،۲۴۔

’’نبی کا طریقہ‘‘

محمدالرسول اللّٰہ کا مطلب؟

تبلیغی جماعت کے اکابرین و احباب بڑے وثوق سے ’’کلمہ طیبہ ‘‘کے دوسرے حصے ’’محمد الرسول اللّٰہ ‘‘کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

> ’’نبی کے طریقے میں کامیابی ہے اور غیر نبی کے طریقے میں ناکامی ہے‘‘۔

پھر اس بنیاد پرلوگوں کویہ کہتے ہوئے اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں :

> ’’اللہ تعالیٰ نے میری ،آپ کی اور تمام انسانوں کی کامیابی پورے کے پورے دین میں رکھی ہے ! چنانچہ یہ دین میری، آپ کی اور سارے عالم کے انسانوں کی زندگی میں کیسے آجائے؟اس کے لئے نبی کریم والے طریقے اور محنت کی ضرورت ہے‘‘۔

پھر’’نبی کے طریقے‘‘کی تشریح کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی تبلیغ پیار و محبت ،رواداری اور بھائی چارے کے ساتھ پرامن طریقے سے کرنی چاہیے ، طاقت کا استعمال یا اسلحے کے زور پر شریعت کے نفاذ درست نہیں۔چناچہ اب ہم اسی حوالے سے اکابرین تبلیغی جماعت کے کچھ افکار و نظریات جوکہ ریکارڈ شدہ ہیں ،ان کوبھی نقل کردیتے ہیں تاکہ اس ضمن میں اصل حقیقت کو پہچانا جاسکے۔

کیادین کا قیام صرف’’دعوت ‘‘سے ہوگا ،خلافت سے نہیں؟

اکابر تبلیغی جماعت مولانا احمد احمدصاحب بہاولپور والے کہتے ہیں :

’’دین کیسے قائم ہوتا ہے ؟اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ دین کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے میں نے ہمیشہ انبیا ء کو بھیجا ہے اور وہ سب ’’اصحاب دعوت‘‘تھے۔ دین جب بھی آیا ہے اور جن میں بھی آیا ہے وہ’’دعوت‘‘کے راستے سے آیا ہے !دین کبھی’’ حکومت و خلافت‘‘کے راستے سے نہیں آیا ہے۔مغالطہ یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت دین لاتی ہے یا خلافت دین لاتی ہے ۔(یاد رکھئے)دین آتا ہے ہمیشہ ’’دعوت ‘‘کے راستے سے‘‘۔[1]

’’اور عقل کیا کہتی ہے کہ ’’خلافت ‘‘قائم ہوجائے گی ،حکومت الٰہی آجائے گی تو دین قائم کردیں گے ۔دماغ تمہارا خراب ہوگیا ہے !کیا ہوگیا ہے تمہیں ؟کہاں گئی عقل تمہاری ؟جو چیز اللہ کے نظام میں نہیں ہیں آپ کس طرح سے اس کو چلائیں گے ؟اللہ کہتا ہے کہ گراہوا دین چاہے بالکل چلا جائے اور آدمی کفر میں داخل ہوجائے اور چاہے کافرانہ زندگی مسلمانوں نے اختیار کرلی ہو،ان کے نکالنے کا طریقہ صرف’’دعوت ‘‘ہے اور کوئی نہیں‘‘۔[2]

’’اس لئے میں عرض کررہا ہوں کہ وہ(صحابہ)اپنے مقام کو سمجھتے تھے وہ اپنی عبادت کو ،اپنے ذکر کو ،اپنے علم کو، اپنی

---

[1] کراچی اجتماع ۲۸جولائی ۲۰۰۷ء بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔
[2] کراچی اجتماع ۲۹جولائی ۲۰۰۷ء بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔

’’خلافت‘‘کو نہیں پیش کرتے تھے !وہ کہتے تھے ہم ’’نمائندے ‘‘ہیں ،ہم ’’صاحبِ دعوت‘‘ہیں اور کم قسمتی کی بات (یہ ہے کہ)امت اس چیز کو سب سے بڑی نعمت سمجھتی تھی اور سب سے بڑا منصب سمجھتی تھی (لیکن)آج امت اس مقام پر ہے کہ ’’کباڑی کاموں‘‘ کی قیمت ہے اور نبی کی محنت کو اتنا گھٹیا سمجھتے ہیں کہ اس کے لئے اوّل تو (کچھ)کرنے کو تیار نہیں‘‘۔[1]

’’لیکن اللہ رب العزت نے راستے جو رکھا ہے نہ وہ علم رکھا ہے ،نہ ذکر رکھا ہے ،نہ ’’خلافت‘‘ رکھا ہے ،تمام انبیاء کو ’’دعوت کے راستے ‘‘سے بھیجا ہے۔دعوت بنیاد ہے اس سارے نظام کے چلنے کی جس کو آپ ’’دین‘‘ کہتے ہیں۔جس عمارت کی بنیاد نہ ہووہ عمارت کیسے باقی رہ سکتی ہے؟[2]

’’کہتے ہیں کہ کہیں تھوڑا بہت ملک مل جائے تو اس میں ’’قوانین اسلامی ‘‘جاری ہوجائیں تو بس خلافت بن گئی،تو اللہ کہتا ہے کہ’’یہ خلافت تھوڑی ہے!اس کو خلافت تھوڑی کہتے ہیں کہ کہیں تمہیں زمیں کا ٹکڑا مل جائے وہاں تم اسلامی قوانین جاری کردو‘‘۔خلافت کس کو کہتے ہیں ؟خلافت نام اس کا ہے کہ ’’میں پوری کائنات کے نام میں یہ حکم جاری کرتا ہوں کہ یہ میرا ہوگیا ہے، اس کومیں نے اپنا نائب بنادیا ہے ،جس طرح میرے حکم کو مانتے ہو اسی طرح اس کا حکم کو مانو‘‘۔[3]

---

[1] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۸ء ،بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔
[2] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۸ء ،بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔
[3] رائیونڈ اجتماع ۷نومبر ۲۰۰۹،۔بحوالہ پاک ریکارڈنگ سینٹرکراچی۔

’’کیونکہ یہ مجمع اہل فہم ،اہل علم اور اہل عقل کا ہے اس لئے یہ بات عرض کررہا ہوں کہ ایک ہے لائے ہوئے (یعنی قائم شدہ)دین کو چلانااور ایک ہے گرے ہوئے دین کو لانا ۔میری بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں آرہی؟ایک ہے آئے ہوئے دین کا چلانا اور ایک ہے گرے ہوئے دین کو دوبارہ لانا ۔آئے ہوئے دین کو چلانے کے لئے تین بنیادی شعبے ہیں جو چلانے والے ہیں دین کے ،مدرسے ہیں ،خانقاہیں ہیں اور’’خلافت‘‘ ہے۔ لیکن دین چلاجائے تو ان کے بس کی بات نہیں ہے اس دین کو واپس لانا (یعنی قائم کرنا)،ان کی ترتیب میں ہے ہی نہیں۔یہ دین لانہیں سکتے ،آئے ہوئے دین کو چلاسکتے ہیں۔دین چلاجائے تو اس کو لانے کے لئے اللہ نے ایک ہی نام رکھا ہے ،اس نظام کو ’’نظام دعوت‘‘کہتے ہیں!’’[1]

’’علمائے امت ہیں ،یہ کیا کہتے ہیں ؟یہ جھگڑا جو چل رہا ہے وہ کیا ہے؟اور بڑے عرصے سے ہے،ابھی کا نہیں ہے پرانا جھگڑا ہے!یہ (علماء امت)کیا کہتے ہیں ؟یہ اللہ کو کہتے ہیں کہ ہمیں پہلے خلافت چاہیے اور اللہ کہتے ہیں کہ خلافت تو میں سب سے آخر میں دیتا ہوں۔اللہ کہتے ہیں میری رضا اور ترتیب میں کیا ہے؟سب سے پہلے دعوت ہے ،پھر اس کے بعددعوت کے ذریعے سے ’’عبدیت کا نظام ‘‘قائم ہوتا ہے ،انسان میرے بن جاتے ہیں پھر میں اپنی معیت کا اعلان کرتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ ہوگیا ہوں،تم میرے ہواور میں تمہارا ہوں،پھر اس کے بعد میں ’’خلافت‘‘دیتا ہوں۔ تم الٹی چکی چلاناچاہتے ہوکہ پہلے تمہیں خلافت دے دی جائے

[1] رائیونڈ اجتماع ۔۷نومبر ،۲۰۰۹۔بحوالہ پاک ریکارڈنگ سینٹرکراچی۔

اور قیامت تک بھی بولوگے تو اس طرح سے کچھ نہیں ہوگا ؟[1]

الٹی چکی کون چلارہا ہے؟

اس سے پہلے کہ ہم خلافت سے متعلق اکابر تبلیغی جماعت کے درجِ بالا بیانات کا جائزہ لیں ہم فقہاء کرام کے اقوالَ کی روشنی میں یہ بات سمجھنے کی کوشش کریں گے''اقامتِ دین ''کا خلافت سے تعلق کیا ہے؟تاکہ اس بات کا فیصلہ ہوجائے کہ ''الٹی چکی کون چلارہا ہے؟''۔ آیا وہ لوگ جو خلافت کے قیام کو دین کے مکمل قیام کے لئے لازم و ملزوم سمجھتے ہیں اوراس کے لئے جہاد و قتال کررہے ہیں یا پھر اکابر تبلیغی جماعت جو کہ صرف زبانی دعوت کے ذریعے ہی خلافت کے قیام کے قائل ہیں ۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۔''اقامت دین ''کے لئے ''خلافت ''کے لزوم کویوں بیان فرماتے ہیں:

> ''الخلافة ھی الریاسة العامة فی التصدی لاقامة الدین باحیاء العلوم الدینیة واقامة ارکان الاسلام والقیام بالجهاد وما یتعلق بہ من ترتیب الحیوش والفرض للمقاتلہ واعطاھم من الفئ والقیام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف والنهی عن المنکر نیابة عن النبی ﷺ''۔[2]

> ''خلافت عامہ وہ ریاست عامہ ہے جو رسول اللہ ﷺکی''نیابت و جانشینی'' کرتے ہوئے عملاً''اقامت دین ''کے لئے حاصل ہوئی ہو یعنی علوم دینیہ کا احیاء، ارکان اسلام کی

---

[1] رائیونڈ اجتماع ۔۷نومبر ۲۰۰۹، ۔بحوالہ پاک ریکارڈنگ سینٹرکراچی۔

[2] ازالة الخفاء عن الخلافة الخلفاء،ج:۱،ص:۱۷۔

اقـامت ،جہاد اور متعلقـات جہاد کـا قیـام جیسـے افواج کی تـرتیب، مجاہدین کے وظـائف دینـا،مـال غـــنیمت کی تقســـیم ،نظـــام عـــدالت کاقیـــام، حدود(شریعہ)کـا اجـراء، مظـالم کـو دور کرنـا اور امـــر بـــالمعروف ونہی عن المنکرکرنـــا شـــامل ہیں‘‘۔

امـام قرطـبی کے نزدیـک تـو خلافت کـا قیـام ’’رکن دین‘‘ میں سے ہے:

’’انهـــا ركن من اركـــان الـــدين الـــذى بہ قـــوام المسلمين ‘‘۔[1]

’’اور وہ (امامت)’’ارکان دین‘‘میں سـے ہے جس کے ذریعہ مسـلمانوں کے اجتمـاعی نظـام کـا قیـام ہوتاہے‘‘۔

امام الماوردی ؒفرماتے ہیں :

’’الامامة موضوعة لخلا فة البنوة فى حراسة الدين و سياسةالدنيا بہ‘‘[2]

’’امامت(یاخلافت)دین کی حفـاظت کـرنے اور اس کے ذریعہ دنیاوی امـور کی تـدبیر اور نظم و نسـق کرنے میں نبوت کی نیابت ہے‘‘۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

’’فهى فى الحقيقة خلافـة عن صـاحب الشـرع فى حراسة الدين وسياسة الدنيا بہ‘‘

’’درحقیقت خلافت ’’دین کی حفـاظت‘‘ کـرنے اور اس کے ذریعہ دنیــوی امــور کی تــدبیر اور نظم و

[1] الجامع لاحکام القرآن ،ج:۱،ص:۲۵۲۔
[2] الاحکام السلطانیة۔

نسق کرنے میں صاحب شریعت(رسول اللہ ﷺ)کی نیابت اور جانشینی کا نام ہے‘‘۔

امام الحرمین فرماتے ہیں :

’’فالقول الکلی ان الغرض استبقاء قوائد الاسلام طوعا وکرھاوالمقصد الدین‘‘[1]

’’کلی بات یہ ہے کہ (خلافت کے قیام کی)غرض طوعاً وکرھاً قواعد اسلام کی بقاء ہے اور مقصد’’دین کا قیام ‘‘ہے‘‘۔

علامہ تفتازانی حنفیؒفرماتے ہیں:

’’ان الشارع امر باقامة الحدود وسد الثغور وتجهیزالجیوش للجهاد وکثیر من الامور المتعلقة بحفظ النظام وحمایة بیضة الاسلام ممالایتم الا بالامام وما لا یتم الواجب المطلق الا به وکان مقدورا فهو واجب‘‘۔[2]

’’شارع نے حدود(اللہ)کے قائم کرنے ،سرحدوں کی حفاظت ،جہاد کے لئے لشکر کو تیار کرنے اور بہت سے ایسے امور کا حکم دیا ہے جو نظام کی حفاظت اور مرکز اسلام کے تحفظ سے متعلق ہیں،جوکہ امام (خلیفہ)کے بغیر ادانہیں ہوسکتے اور جو مطلق فریضہ جس چیز کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا تو وہ چیز از خود واجب ہوجاتی ہے‘‘۔

علامہ تفتازانی حنفی ؒفرماتے ہیں:

’’وقد ذکر فی کتبنا الفقهية انه لابد للامة من امام يحي الدين وقيم السنة وينتصف للمظلومين

[1] ازالة الخفاء عن الخلافة الخلفاء،ج:۲،ص:۲۲۲۔
[2] شرح المقاصد؛ج:۵،ص:۵۳۶۔

ویستوفی فی الحقوق ویضعها مواضعها‘‘۔[1]

’’ہماری فقہی کتابوں میں یہ بات مـذکور ہے کہ امت کے لئے ایسے امام کـا وجـود لازم ہے جـو دین کــا احیــاءکرے، ســنت (رســولﷺ)کــو قــائم کرے ،مظلوموں کو انصاف دلائے ،حقوق لے کـر ان کے مستحقین کو دے‘‘۔

امام نسفیؒفرماتے ہیں:

’’والمســلمون لابــد لهم من امــام یقــوم بتنفیــذ احکـامهم واقامـة حـدودهم وسـد ثغـورهم وتجهـیز جیوشــهم واخــذ صــدقا تهم وقهــر المتغلبــة والمتلصصــة وقطــاع الطریــق واقامــة الجمعــة والاعیاد‘‘۔[2]

’’مسلمانوں کے لئے ایسے امام کا ہونـا نـاگزیر ہے جواحکامــات (شــرعیہ)کــو نافــذ کــرے ،حــدود (اللہ)کوقــائم کــرے،ســرحدوں کی حفــاظت کرے،صدقات وصول کرے،سرکشـو ں ،چـوروں اور ڈاکوؤں پر قـابو پـائے اور جمعہ و عیـدین کـو قـائم کرے‘‘۔

امام ابن تیمیہ اقامت خلافت کو فـرائض دیـنیہ میں سے سب سے بڑا فریضہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’یجب ان یعـرف ان ولایـة امـر النـاس من اعظم واجبات الدین بل لاقیام للدین ولا الـدنیا الابهـا ‘‘۔[3]

---

[1] شرح المقاصد؛ ج:۵،ص:۲۳۵۔
[2] شرح العقائد النسفیة۱۰۳۔شامی ،ج:۲،ص:۲۸۰۔
[3] السیاسة الشرعیة،ص:۱۶۱۔

’’یہ جان لینا واجب ہے کہ لوگوں کے (اجتماعی)معاملات کے لئے ولایت(خلافت)دین اسلام کے فرائض میں سے ایک بڑا فریضہ ہے بلکہ دین و دنیا کا قیام اس کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے ‘‘۔

’’ولا ان اللّٰہ تعالیٰ اوجب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر ولا یتم ذلک الابقوۃ وامارۃ وکذلک سائر ما اوجبہ من الجھاد والعدل واقامۃ الحج والجمع والاعیاد ونصر المظلوم واقامۃ الحدود لا تتم الا بالقوۃ والامارۃ‘‘۔[1]

’’اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو واجب قرار دیا ہے اور یہ طاقت و امارت(یعنی خلافت)کے بغیر مکمل نہیں ہوتا ہے۔اسی طرح تمام وہ احکام جن کو اللہ نے واجب کیا ہے یعنی جہاد ،عدل کا قیام ،حج و جمعہ و عیدین کی اقامت،مظلوم کی مدد اور اقامت حدود(اللہ)،طاقت و امارت کے بغیر پورے نہیں ہوتے ہیں‘‘۔

’’ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس بات کو خوب سمجھ لے کہ مسلمانوں کے لئے اسلامی خلافت دین کے بڑے واجبات میں سے ایک واجب ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام کا قائم رہنا خلافت کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔کیونکہ انسان کے اجتماعی زندگی کے مصالح خلافت کے بغیر نامکمل ہیں۔مثلاً اللہ تعالیٰ نے امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے۔یہ دونوں بغیر خلافت و امارت اور بغیر قوت کے نامکمل ہیں ۔ اسی طرح دیگر واجبات مثلاً مظلوم کی مدد ،عیدین کے قیام ،نماز جمعہ کا انتظام اور

[1] مجموعۃ فتاویٰ ابن تیمیۃ ؒ؛ج:۲۸،ص:۳۹۰۔

جہاد و حج کے احکام بغیر قوت و امارت و خلافت کے نامکمل ہیں‘‘۔[1]

خلافت کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ترتیب:

فقہاءکرام کے درج بالا کلا م کے بعد اب اس بات کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ اکابر تبلیغی جماعت کے خلافت سے متعلق نظریات وافکار پرمزید بحث کی جائے ،سوائے اس بات کے کہ جس میں وہ کہتے ہیں:

’’اور عقل کیا کہتی ہے کہ ’’خلافت ‘‘قائم ہوجائے گی ،حکومت الٰہی آجائے گی تو دین قائم کردیں گے ،دماغ تمہارا خراب ہوگیا ہے !کیا ہوگیا ہے تمہیں ؟کہاں گئی عقل تمہاری ؟جو چیز اللہ کے نظام میں نہیں ہیں آپ کس طرح سے اس کو چلائیں گے ‘‘۔[2]

’’اللہ کہتے ہیں میری رضا اور ترتیب میں کیا ہے؟ سب سے پہلے دعوت ہے ،پھر اس کے بعددعوت کے ذریعہ سے ’’عبدیت کا نظام ‘‘قائم ہوتا ہے، انسان میرے بن جاتے ہیں پھر میں اپنی معیت کا اعلان کرتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ ہوگیا ہوں،تم میرے ہواور میں تمہارا ہوں،پھر اس کے بعد میں ’’خلافت‘‘دیتا ہوں ۔تم الٹی چکی چلاناچاہتے ہوکہ پہلے تمہیں خلافت دے دی جائے اور قیامت تک بھی بولوگے تو اس طرح سے کچھ نہیں ہوگا ؟‘‘۔[3]

---

[1] منہاج السنة،ج:۱ص:۱۴۶۔

[2] کراچی اجتماع ،۲۹جولائی ۲۰۰۷،بحوالہ علمی کیسٹ گھرکراچی۔

مولانا صاحب کایہ کہنا ہے کہ’’خلافت سے کبھی دین قائم نہیں ہوا‘‘اور یہ کہ اللہ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق خلافت کے قیام سے پہلے لازمی چیز ’’عبدیت کا نظام ‘‘قائم ہونا ہے اور جب تک یہ قائم نہ ہوتو خلافت کا قیام ممکن ہی نہیں ۔

لہٰذا ہم اس بات کو بھی سمجھ لیتے ہیں کہ’’خلافت کے قیام ‘‘کے لئے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ترتیب کیاہے؟اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ’’عبدیت کا نظام‘‘ کب قائم ہوتاہے؟اس بات کو واضح کرنے کے لئے قرآن کریم کی ایک ہی آیت کافی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے خلافت کے قیام کے لئے اپنی بتائی ہوئی ترتیب کھلے الفاظ میں یوں بیان کی:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الأرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[1]

’’وعدہ ہے اللہ کا ان لوگوں سے جوایمان لائے اور عمل صالح کئے کہ ان کولازمازمین پرخلیفہ بنائے گا جیسے کہ اِن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا،اور یقینا(اس کے نتیجے میں)اِن کے لئے اُس دین کو مضبوطی کے ساتھ جمادے گا (یعنی قائم کردے گا)جسے اِن کے لئے اُس نے پسند کیااور اِن کے حالتِ خوف کو حالتِ امن سے بدل دے گا (تاکہ)وہ میری ہی عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔اس(بات کے واضح ہونے) کے

---

[3] رائیونڈ اجتماع ۷نومبر ۲۰۰۹، بحوالہ پاک ریکارڈنگ سینٹرکراچی۔

[1] النور:۵۵۔

بعد بھی جو لوگ کفر کریں وہ یقینا فاسق ہیں‘‘۔

چنانچہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کی بتائی ہوئی ترتیب میں وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِینَهُمُ یعنی ’’دین کا قیام‘‘اور يَعْبُدُونَنِي یعنی ’’عبدیت کا نظام‘‘قائم ہی خلافت کے قیام کے بعد ہوتا ہے اور خلافت کے قیام کے لئے صرف ایک شرط ’’دعوت‘‘نہیں رکھی جیسا کہ مولانا صاحب کا کہنا ہے ،بلکہ دو شرائط رکھیں ہیں:

(١) ایمان

(٢) عملِ صالح

چنانچہ ہم ان دونوں شرائط کو بھی سمجھ لیتے ہیں جس کے ساتھ اللہ رب العزت نے ’’خلافت ‘‘یعنی دین کی اقامت کا وعدہ کیاہے۔

ایمان سے مراد؟

رسول اللہ ﷺکا یہ ارشاد ایمان کی جامع ترین تعریف ہے:

((لایؤمن احدکم حتی یکون هوا ہ تبعا لماجئت بہ))[1]

’’تم میں سے کوئی شخص بھی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس اس شریعت کے تابع نہ ہوجائے جو میں لایا ہوں‘‘۔

[1] مشکوٰۃ المصابیح،ج:١،ص:٣٦،رقم الحدیث:١٦٧۔السنة لابن عاصم،ج:١،ص:٢١،رقم الحدیث:١٤۔جامع العلوم والحکم،ج:٤١،ص:١۔شرح الأربعین النبوی،ج:١،ص:٣٦،رقم الحدیث:١٤حدیث حسن صحیح۔

لہٰذاایمان کی تعریف فقہاء کرام نے متفق طورپر یوں کی ہے:

’’تصدیق ماجآء بہ النبی ﷺ‘‘

’’ہر اس بات کی تصدیق کرنا جو نبی کریم ﷺلائے‘‘۔

اور قرآن کریم نے اس اصول کو یوں بیان کیا:

﴿ فَلا وَرَبِّكَ لا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾[1]

’’(اے محمدﷺ)آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے معاملات میں(فیصلے کرانے کے لئے)آپ کو حکم تسلیم نہ کر لیں اور پھر آپ کے فیصلے سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں اوراُس کو مکمل طور پر تسلیم کر لیں۔‘‘

عمل صالح سے مراد؟

اسی طرح ’’عمل صالح ‘‘کو بھی سمجھ لیتے ہیں ۔ عموماً اس کا ترجمہ ’’نیک اعمال‘‘سے کیا جاتاہے جوکہ اپنی جگہ درست ہے لیکن عملِ صالح کا دراصل تعلق اس ’’اصلاح ‘‘سے ہے جوکہ ’’فساد ‘‘کے مقابلہ میں کی جاتی ہے اور جس کوقرآن نے بھی بڑی شدومد سے بیان کیا۔اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ﴾[2]

---

[1] سورۃالنسآء آیت:۶۵۔
[2] صٓ:۲۸۔

’’کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اورعملِ صالح کرتے ہیں برابر کردیں گے ، زمین پر فساد مچانے والوں کے‘‘۔

چنانچہ تخلیقِ آدمؑسے لے کر آج تک جتنی بھی کوشش اور سعی ابلیس لعین نے انسانیت کو اپناہمنوااور گمراہ کرکے اللہ تعالیٰ اوراس کے دین مقابل لا کھڑا کرنے،اور اس کے نتیجے میں اس کے تحالف میں بندھے لوگوں کی طرف سے زمین پر بغاوت،قتل وغارت ،ظلم وستم اور زمین پر دین اللہ کو پامال کرنے، اورمستقبل میں بھی خروج دجال اور خروج یاجوج ماجوج کی صورت میں جو ’’فساد عظیم‘‘پرپا ہوگااس کو قرآن نے ’’فتنے ‘‘یا ’’فساد فی الارض ‘‘سے تعبیر کیا اور اس کے مدمقابل فسا د کوختم کرنے کے لئے حضرت آدم ؑسے لے کر خاتم النبیّن حضرت محمدﷺتک تمام انبیاء و رسل اور ان کے اعوان و انصاربشمول ظہورمہدی اور نزول مسیحؑتک کی ہر کوشش ،ہرسعی اورہر اقدام کوشریعت میں ’’عمل صالح‘‘ شمار کیا گیا اور قرآن نے اس کو ’’اصلاح‘‘سے تعبیرکیا۔

قوم ثمود کے سرداروں کی اللہ سے بغاوت کے بارے میں آیا کہ :

﴿وَکَانَ فِی الْمَدِیْنَۃِ تِسْعَۃُ رَھْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴾[1]

’’اور ان کے شہر میں نو سردار تھے جنہوں نے زمین پر فسادمچارکھا تھا اور وہ اصلاح کرنے والے نہ تھے‘‘۔

﴿الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ﴾

[1] النمل:۴۸۔

’’ان کے سرداروں نے زمین پرفسادمچا رکھا تھااوروہ اصلاح کرنے والے نہیں تھے‘‘۔[1]

حضرت شعیبؑنے اپنی قوم کوان کی بداعمالیوں پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا :

﴿وَلاَ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلاَحِها﴾[2]

’’اور زمین میں ’’اصلاح ‘‘کے بعد ’’فساد ‘‘مت بچاؤ‘‘۔

﴿اِنْ اُرِیْدُ اِلاَّ الْاَصْلاَحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾[3]

’’میرا ارادہ اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہے‘‘۔

منافقین جو بظاہر کلمہ گو تھے مگرمنع کرنے کے باوجود ان کی ساری ہمدردیا ں یہود کے ساتھ تھی اور اس کو وہ اصلاح سے تعبیر کرتے تھے چنانچہ قرآن نے ایسے لوگوں کوہی سب سے بڑا مفسد قراردیا:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لا تُفْسِدُوا فِي الأرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ○ألا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لا يَشْعُرُونَ ○﴾[4]

’’اور جب ان سے کہا جاتاہے(یہود کے ساتھ دوستی کرکے)زمین پر فساد مت مچاؤ تو جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔آگاہ ہوجاؤکہ یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن سمجھتے نہیں ‘‘۔

---

[1] الشعرآء:۱۵۶۔
[2] الاعراف:۵۸۔
[3] ھود:۸۸۔
[4] البقرۃ:۱۲،۱۱۔

جو کوئی زمین پر فساد مچانے والاہوتو اللہ تعالیٰ بھی اس کے عمل کی اصلاح نہیں کرتے:

﴿ اِنَّ اللّٰہَ لاَ یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾[1]

’’بے شک اللہ فساد کرنے والوں کے عمل کی اصلاح نہیں کرتا‘‘۔

﴿فَلَوْلا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الأرْضِ إِلا قَلِيلا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ○وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ○﴾[2]

’’پس کیوں نہ ہوئے تم سے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایسے اہل خیر لوگ جو زمین پر فساد پھیلانے سے روکتے ،سوائے ان قلیل لوگوں کے جنہیں ہم نے ان میں سے نجات دی تھی اور ظالم لوگ اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جس میں انہیں آسودگی دی گئی تھی(حالانکہ اس میں بربادی تھی۔حقیقت یہ ہے کہ)وہ مجرم لوگ تھے۔آپ کا رب ایسانہیں کہ کسی بستی کو ظلم کے سبب ہلاک کردے جبکہ اس میں اصلاح کرنے والے لوگ موجود ہوں‘‘۔

((بدأ الاسلام غریباً وسیعود غریباً کما بدأ فطوبی للغرباء قالوا یارسول اللّٰہ ومن الغرباء قال الذین یصلحون ثم فساد الناس))[3]

’’ اسلام کی ابتداء اجنبیت کی حالت میں ہوئی تھی اور ایک بار پھر اسلام اُسی اجنبیت کی حالت

[1] یونس:۸۱۔
[2] هود:۱۱۷،۱۱۶۔
[3] هود:۱۱۷،۱۱۶۔

میں چلاجائے گا،سو مبارک باد ہے اجنبی ہوجانے والوں کے لئے۔ پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ اجنبی کون ہیں؟آپ ﷺ نے جواب دیا کہ وہ لوگ جو لوگوں کے فساد میں مبتلا ہونے کے وقت ان کی’’اصلاح‘‘ کریں گے‘‘۔

’’اصلاح‘‘کا اصل منہج وطریقہ:

یہ بات سمجھنے کے بعد کہ شریعت میں ’’اصلاح ‘‘سے کیا مراد ہے ،یہ چیز بھی واضح ہونی چاہیے کہ اس ’’اصلاح ‘‘کا منہج اور طریقہ کا ر کیا ہوگا؟کیونکہ امت محمدی ﷺکی موجودہ زبوں حالی سے نکالنے کے لئے ’’اصلاح ‘‘کے نام پرمختلف اصلاحی سلسلے ،ادارے،جماعتیں اپنی اپنی سوچ و فکر،فلسفوں اور طریقوں کی بنیادپر امت کی ’’اصلاح‘‘کی کوشش میں لگے ہیں اور ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ اس کا ہی’’ طریقۂ اصلاح‘‘صحیح اور درست ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ’’اصلاح ‘‘کا جو معیار دیا ہے وہ کیا ہے؟اس کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

((ان الدین بدأ غریباویرجع غریبا فطوبی للغرباء الذین یصلحون ماأفسد الناس من بعدی من سنتی))[1]

’’دین شروع میں اجنبی تھا اور عنقریب پھر پہلے کی طرح اجنبی ہوجائے گا ۔لٰہذا اُ ن لوگوں کے لئے بشارت ہے جن کو دین کی وجہ سے اجنبی سمجھا جائے اور یہ وہ لوگ ہیں جو میرے بعد میری جس سنت کو لوگ بگاڑدیں گے یہ اُس سنت کو ٹھیک کردیں گے۔‘‘

[1] المعجم الکبیر،ج:۱۷،ص:۱۶،رقم الحدیث:۱۱۔کنز العمال،ج:۱،ص:۲۳۸،رقم الحدیث:۱۱۹۴۔سنن الترمذی:ج۹ص۔۲۱۹رقم الحدیث:۲۵۵۴وقال ابو عیسیٰ ہذا حدیث حسن صحیح۔

تو ’’اصلاح ‘‘دراصل نام ہے اس بات کاکہ جو فساد و بگاڑکاجو رسول اللہ ﷺکی سنت میں واقع ہوگیا ہواس میں اصلاح کردی جائے اور اس کو اصل حالت میں زندہ کردیا جائے۔

((من احیا سنة من سنتی قد امیتت بعدی کان لہ من الاجر مثل اجور من عمل بھامن غیر ان ینقص من اجورھم شیئا))[1]

’’جس نے میرے بعد میری سنت میں سے کسی سنت کو زندہ کیا جبکہ وہ مردہ ہوچکی تھی اس شخص کو اجرو ثواب ملے گا ان تمام بندگان خدا کے اجرو ثواب کے برابر جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے اجرو ثواب میں سے کچھ کمی کی جائے‘‘۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سنت سے مرادصرف وضو ،غسل یا نماز کی سنیتں مراد ہیں یا زیادہ سے زیادہ صرف کھانے پینے ،سونے جاگنے اور اٹھنے بیٹھنے کے حوالے سے عاداتِ رسول ﷺکو اپنانے کا نام ’’سنت ‘‘ہے؟

جان لیجئے سنت رسول ﷺسے مراد’’ زندگی کے ہر معاملے یعنی عقائد ،عبادات،معاملا ت اور عادات میں آپ ﷺکے طریقے کو اختیار کرنا‘‘ہے چناچہ امام فارس ؒفرماتے ہیں:

’’السنہ وھی السیرۃ وسنة رسول اللّٰہ ﷺسیرتہ‘‘[2]

’’سنت کے معنی’’ طریقہ‘‘ کے ہیں اور سنت رسول ﷺسے مراد آپ ﷺ کا طریقہ ہے‘‘۔

[1] سنن الترمذی ،ج:۹،ص:۲۸۸،رقم الحدیث:۲۸۰۱،سنن ابن ماجة ،ج:۱،ص:۲۴۳،رقم الحدیث:۲۰۵۔

[2] معجم مقاییس اللغة:باب س،ن،ن۔

اسی طرح سنت رسولﷺ،دراصل ’’سنت اللہ‘‘کی عملی تفسیر ہے اور اس کے عملی قیام کا طریقہ بھی۔

((ان احسن الحدیث کتاب اللّٰہ وأحسن الھدی ھدی محمدﷺ))

’’سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین راستہ محمدﷺکا راستہ ہے‘‘[1]

اس بات کی عملی مثال کہ’’سنت رسولﷺ،دراصل ’’سنت اللہ‘‘کے عملی قیام کا طریقہ ہے۔رسولﷺکے اُس عمل سے واضح ہوتی ہے جوکہ انہوں نے یہود کی طرف سے تورات میں اللہ کے نازل کردہ زناء کی سزا کو مختلف حیلے اور بہانوں کے ذریعے عملی طور پر ساقط کردیا تھا۔چنانچہ آپﷺنے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اس طریقہ کو زندہ کرتے ہوئے زناء کی سزاء کو من وعن نافذ کیا اور یوں فرمایا:

((اللّٰھم انی أول من أحیا التابعین اذاأماتوہ))[2]

’’اے اللہ !میں سب سے پہلے تیرے اس حکم کو زندہ کرتا ہوں جبکہ ان (اہل کتاب)نے اس کو مردہ کردیا تھا‘‘۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓجمعرات کے دن کھڑے ہوکر فرماتے :

’’اصل چیزیں دو ہیں ،ایک زندگی گزارنے کا طریقہ اور دوسرا کلام،سب سے افضل اور سب

1 صحیح البخاری:ج۶ص۲۶۵۵رقم الحدیث:۶۸۴۹۔
2 صحیح مسلم:ج ۳ص۱۳۲۷،رقم الحدیث۱۷۰۰۔سنن البیہقی الکبری :ج ۸ص ۲۴۶۔

سے زیادہ سچا کلام اللہ تعالیٰ کا ہے اور سب سے عمدہ طریقہ حضرت محمد ﷺ کا ہے۔''[3]

چنانچہ اس ''طریقۂ نبویہ''میں ؤ عقائد و احکامات آجائیں گے جوکہ سنت رسول ﷺسے نصوص کے درجے پرپہنچتے ہوں اور جن پر یقین و عمل ''فرض''کے درجے کو پہنچتا ہو مثلاً عقائد میں نزول عیسیٰ ابن مریم ،ظہورِمہدی اور خروج دجال وغیرہ اور احکامات میں شادی شدہ زانی کے لئے رجم کی سزا،''خلافت''کے استحکام اور قیام کے لئے ''جہاد'' کا تاقیام قیامت تک جاری رہناوغیرہ جن کے انکار سے انسان کا اسلام خطرے میں پڑجاتا ہے۔اسی طرح سنت رسول ﷺسے ثابت عبادات میں ،فرائض میں ،معاملات میں اور احکامات میں وہ اوامر و نواہی جن پر عمل کرنا بھی ایک مسلمان کے لئے لازم قرارپائے اورجن کے کرنے یا نہ کرنے پربشارتیں یا وعیدیں وارد ہوئیں ہوں۔ اس کے علاوہ سنت رسول ﷺ سے ثابت وہ ''متواتر عادات''جن کو ''سنت زائدہ ''بھی کہتے ہیں، اختیار کرنا قابلِ تحسین، پسندیدہ اوررسول اللہ ﷺ سے محبت و عشق کے اظہارکاذریعہ ہو،اور جن کے اختیارکرنے یا نہ کرنے میں کوئی وعید یا ملامت نہ ہومگر صحابہ کرام ؓنے اس پر بھی اختیاری لزوم اورمداومت دکھائی مثلاً لہسن اور پیاز کااستعمال نہ کرنا،ثرید اورکدو پسند کرنا، زمین پر بیٹھ کر کھاناوغیرہ وغیرہ چونکہ صحابہ کرام جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺکا کسی بھی معاملے میں کوئی بھی عمل چاہے وہ لزوم کا درجہ رکھتا ہو یا نہیں، لیکن وہ عمل بھی اس ''اصلاح '' کے لئے سب سے بڑا معاون ہے جس کے لئے آپ ﷺکو بھیجا گیا اور اس ''فسادِ عظیم ''کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے جس کو شیطان اپنے تحالف میں بندھے لوگوں کے ذریعے اس پوری کائنات میں پھیلانا چاہتا ہے ۔

[3] حیاۃالصحابہ جلد سوم از یوسف کاندھلوی ؒ۔

رسول ﷺ نے ''فساد ''کے زمانے میں ''اصلاح'' کرنے کے لئے عقائد، ،عبادات ،معاملات اور اخلاقیات کے ہر پہلوکے حوالے سے اپنی ایک سنت جاری فرمائی ہےجس میں بشمول کھانے پینے کی سنت ،نشست وبرخاست کی سنت، سونے جاگنے،اٹھنے بیٹھنے کی سنت کے ساتھ ساتھ ظالموں کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی سنت ،اللہ کے علاوہ معاشرے میں جو اور ''الٰہ ''بنے ہوئے ہیں ان سے دشمنی اور برأت کی سنت ،حدود اللہ کے ٹوٹنے پر غضب ناک ہونے کی سنت، اعلاءِ کلمۃ اللہ اور خلافت کے قیام کی سنت۔چنانچہ ان تمام معاملات میں رسول اللہﷺکی سنت کا احیاء ہی میں دراصل اس ''اصلاح '' کا قیام ممکن ہے۔ جس پر ہماری نجات کادارومدار ہے۔ امام شافعی ؒفرماتے ہیں :

''اجمع المسلمون على أن من استبان له سنة عن رسول اللّٰه ﷺ لم يحل له أن يدعها لقول أحد''

''اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ جس شخص پر رسول اللہﷺکی کوئی سنت واضح ہوجائے تو اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی کے بھی کہنے پر اسے ترک کردے''۔

سب سے بڑی مردہ سنت:

ہم سمجھ چکے کہ رسول ﷺکی سنت یعنی آپ ﷺکاطریقہ دراصل ''سنۃ اللہ ''یعنی اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کی عملی شرح و تفسیر ہے۔تو آج پھر سب سے بڑی سنت رسول ﷺکون سی ہے جوکہ بالکل متروک اور مردہ ہوچکی ہے ؟وہ ہے اللہ کی نازل کردہ ''شریعت کے نفاذ''کی سنت اور جب شریعت کا نفاذ نہ ہو تو قرآن اس حالت کو ''فساد''سے تعبیر کرتا ہے۔قوم عاد،قوم ثمود اور آل فرعون نے اللہ سے بغاوت کی

اوراللہ کی شریعت کے مقابلہ میں اپنا قانون نافذ کیا ۔ قرآن نے اس کو بھی’’فساد فی الارض‘‘سے تعبیر کیا۔

﴿ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ○﴾[1]

’’پس ان سب نے زمین پر فساد مچارکھاتھا‘‘۔

اسی طرح جو شخص یا گروہ اللہ اور اس کے رسول یا اس کی شریعت کی مخالفت پر یا اس سے جنگ پر آمادہ ہو قرآن نے اس کو بھی’’فساد‘‘قرار دیا:

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا﴾[2]

’’بے شک جو جنگ کریں اللہ اور اس کے رسول سے اور زمین پر فساد کرتے پھریں ان کی جزاء یہ ہے کہ...........‘‘۔

لہٰذا شریعت کے نفاذیا باالفاظ دیگر ’’خلافت کے قیام‘‘جس کو آپﷺنے سب سے بڑی ذمہ داری سمجھتے ہوئے فرمایا تھا کہ ’’اے اللہ !میں سب سے پہلے تیرے اس حکم کو زندہ کرتا ہوں جبکہ ان (اہل کتاب)نے اس کو مردہ کردیا تھا‘‘ ۔لہٰذا آج ’’فساد‘‘کے زمانہ میں جبکہ یہ سنت متروک اور مردہ ہوچکی ہے تو امت کی نجات جس’’عملِ صالح‘‘میں ہے وہ ہے شریعت کے نفاذ یعنی خلافت کا قیام کرنا۔چناچہ امام ابن تیمیہ ؒاس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

’’والحکم بماانزل اللّٰہ فیہ صلاح الدنیا والاخرة والحکم بغیر ماانزل اللّٰہ فیہ فساد الدنیا والآخرة‘‘[3]

---

[1] الفجر:۶تا ۱۲۔
[2] المائدة:۳۳۔
[3] مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة ،ج:۶ص:۲۶۱۔

’’اللہ کے نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے میں دنیا و آخرت کی ’’اصلاح ‘‘ہے اور اللہ کے نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے میں دنیا و آخرت کا ’’فساد ‘‘ہے‘‘۔

((المتمسک بسنتی ثم فساد امتی لہ اجر شہید))[1]

’’جس نے میری امت میں فسا د کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما اس کو ایک شہید کے برابر ثواب ملے گا‘‘۔

((من تمسک بسنتی ثم فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید))[2]

’’جس کسی نے میری امت میں فسا د کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما اس کوسو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا‘‘۔

صاحب رد المختار فرماتے ہیں:

’’وان من احیاء السنۃ عند فساد الامۃ من افضل الجہاد ‘‘[3]

’’امت میں فساد کے وقت سنت کو زندہ کرنا افضل ترین جہاد ہے‘‘۔

---

[1] المعجم الاوسط:ج۵ص۳۱۵رقم الحدیث۵۴۱۴،المعجم الکبیر للطبرانی، ج:۲۰،ص:۵۰،رقم الحدیث:۱۳۲۰،مجمع الزوائد:ج۱ص۱۷۲وفیہ محمد بن صالح العدوی ولم أر من ترجمہ وبقیۃ رجالہ ثقات۔

[2] کتاب الزہدالکبیر:ج۲ص۱۱۸رقم الحدیث:۲۰۷،الترغیب والترہیب:ج۱ص۴۱رقم الحدیث:۶۵،مسند الفردوس:ج۴ص۱۹۸رقم الحدیث:۶۶۰۸،عن ابن عباس ؓ

[3] رد المختار،ج:۶،ص۳۱۴۔

اب یہ سوال کہ شریعت کے نفاذ یا خلافت کے قیام جوکہ امت کی ’’اصلاح ‘‘کا سب سے بڑا عمل ہے اور یہ کہ از روئے قرآن ’’نظام عبدیت‘‘کا قیام ہوتاہی اس وقت ہے کہ جب خلافت کا قیام ہوچکا ہوتواس کے لئے ’’طاقت ‘‘کے استعمال کی شرعاً کیا حیثیت ہے ؟ اس کو سمجھتے ہیں۔

کیاطاقت کا استعمال یا اسلحے کے زور پر شریعت کا نفاذ درست نہیں؟

تبلیغی جماعت کے اکابرین شریعت کے نفاذ یا خلافت کے قیام کے لئے ’’طاقت‘‘کے استعمال یا باالفاظ دیگر ’’جہاد فی سبیل اللہ ‘‘کے قائل نہیں اور وہ اس کو وہ نبیوں کے طریقے کے خلاف سمجھتے ہیں ۔تبلیغی جماعت کے نامور مبلغ مولانا طارق جمیل صاحب کہتے ہیں:

> ’’اس لئے اللہ تعالیٰ انبیاءکو طاقت نہیں دیتا تھا ،’’تلوار‘‘نہیں دیتاتھا،’’دعوت ‘‘دیتا تھا کہ جاؤ دعوت دو،دھکے کھاؤ،ذہن بناؤ۔اور موسیٰ ؑتک کسی (نبی)نے تلواراٹھائی نہیں۔ موسیٰ ؑتک کتنے نبی آئے؟لاکھ سے اوپر تو گزرگئے ہوں گے چونکہ موسیٰ ؑاور ہمارے نبی میں دو ہزار سال کا فاصلہ ہے تو دو ہزار سال میں کوئی (تقریباً)چوبیس ہزار آگئے ہوں گے ،لاکھ پہلے ہی گزرگئے ہوں گے لیکن کسی ایک نبی نے تلوار نہیں اٹھائی۔ یوشع ؑپہلے نبی ہیں جنہوں نے تلوار اٹھائی ۔تو بھائیوں بہنوں!’’تبلیغ‘‘میں بھی یہ ذہن بنایا جارہا ہے کہ اس ذہن پر(کہ اسلام

دعوت سے پھیلا ہے تلوار سے نہیں)اسلام آسکتا ہے ،ویسے نہیں آسکتا‘‘۔[1]

اپریل ۲۰۰۹ءکے اسلام آباد کے تین روزہ تبلیغ اجتماع کے موقع پر تبلیغی جماعت کے موجودہ امیر حاجی عبد الوہاب صاحب فرماتے ہیں:

’’اسلحے کے زور پر شریعت نافذ نہیں کی جاسکتی۔اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ انبیاء کے تحفظ اور ان کے مذہب کو نافذ کرنے کے لئے فرشتوں کو بھیجتا ۔حضور ﷺنے کبھی طاقت استعمال نہیں کی بلکہ ’’پرامن طریقوں‘‘سے اللہ کے نام کو پھیلایا ‘‘۔[2]

تبلیغی جماعت کے نامور مقررمولانا طارق جمیل صاحب طالبان کی طرف سے شریعت کے بزورِ طاقت نفاذ پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں :

’’ان سے کیا خطاء ہوئی ؟ ساری دنیا سے دشمنی مول لی اور دوسرا کیا کیا کہ ’’شریعت ‘‘کو عوام پر زبردستی مسلط کردیا .تو حکمت اور بصیرت کے بغیر اٹھا ہوا قدم خود بخودواپس ہوجاتاہے۔۔ سارے عالم سے لڑائی مول لے لی ۔سارے عالم کو دشمن بنالیا ،عوام کوبھی دشمن بنالیا ،زبر دستی ان (پر شرعی نظام) کو ٹھونس دیا (مثلاً)داڑھی نہیں منڈانا ،کتنی لوگ بدبخت تھے کہ جنہوں نے افغانستان سے ہجرت کی اور داڑھی منڈاکراسہ پر پیشاب کیا۔ مسلمان ہی ہیں لیکن اس عمل سے کافر ہوگئے۔ اگر توبہ نہ کی تو۔تو اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے اسباب کا ،اس لحاظ سے تو وہ

[1] ’’دعوت کی طاقت‘‘بمقام چارسدہ صوبہ سرحد۲۶اگست ۲۰۰۶ء۔

[2] روزنامہ امت کراچی وروزنامہ آواز لاہور،۲۹اپریل ، ۲۰۰۹ء۔’’کلمۃ الھادی الی سواء السبیل‘‘ص:۱۷۱۔

ختم ہوجاتے کے عوام کو ساتھ لئے بغیر ،ذہن سازی کئے بغیر کوئی چیز نہیں چل سکتی ہمیں تفصیل سے اس لئے بات کررہا ہوں کہ صرف اتنی بات نہیں تھی کہ تبلیغ والے’’آیاتِ جہاد‘‘کو تبلیغ پر فٹ کرتے ہیں، ہمارے ذہن میں تبلیغ کے بارے میں وہ عظمت نہیں ہے ،وہ ہیبت نہیں ہے جوکہ ہونی چاہیے تھی‘‘۔

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

’’اگر ہم سچے مسلمان ہوتے تو اللہ کی قسم!آج گولڈن پیریڈ ہے انسانوں کو مسلمان بنانے کا ،بہترین وقت ہے لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کا لیکن ہمارے تو اپنے ہاتھ میں ’’کلہاڑے‘‘ہیں،اور اسی(انسانیت)پر ہمارے وار ہیں اور اسی کو تباہ وبرباد کرنے کی ہماری اپنی اسکیمیں ہیں‘‘۔[1]

یہاں تک کہ بعض تبلیغی اراکین یہ بات بلاکسی تردد کے کہتے ہوئے نظر آتے ہیں :

’’جدھر اسلام ’’تلوار ‘‘کے زور سے پھیلا وہاں سے اسلام مٹ گیا جیسے اندلس وغیرہ اور جدھر اسلام ’’دعوت‘‘سے پھیلا وہاں اسلام باقی ہے جیسے انڈونیشیاوغیرہ‘‘

اکابر تبلیغی جماعت اور غلام احمد قادیانی کے نظریات کی مماثلت:

قبل اس کے کہ تبلیغی اکابرین کے ان افکار و نظریات کو کا شرعی جائزہ لیں ،ایک اور تلخ حقیقت کا

[1] ’’امت مسلمہ کا زوال اوراس کے اسباب‘‘بمقام آواری ٹاورہوٹل ،کراچی۔یکم اگست۲۰۰۹ء۔

ذکر یہاں کرتے چلیں جس کو نقل کرتے ہوئے آدمی کانپ اٹھتا ہے کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین کے اور''قادیانیوں''کے بانی غلام احمد قادیانی لعنہ اللہ کے شریعت کے نفاذ کے سلسلہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' یا''طاقت ''کے استعمال سے متعلق نظریات اور افکارمیں کوئی فرق نہیں ہے۔غلام احمد قادیانی لعنہ اللہ اپنی کتاب میں کہتا ہے:

''جب سے دین کے لئے لڑنا حرام کیا گیا ہے ،اب اس کے بعد جو دین کے لئے ''تلوار''اٹھاتا ہے اور غازی نام رکھ کر کافروں کو قتل کرتاہے ،وہ خدا کا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے''[1]

ایک اور جگہ اپنے اشعار میں کہتا ہے:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستوں خیال
دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور''قتال''
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد[2]

کتاب کلمۃ الھادی الی سواء السبیل کے مؤلف کے بارے میں تحسینی کلمات لکھتے ہوئے مولانا سید عبد المالک شاہ صاحب اس تلخ حقیقت کویوں بیان کرتے ہیں :

''(مؤلف)نے کسی پرخاش اور عناد سے ہٹ کر (تبلیغی جماعت کی)گرفت کی ہے اور کتمان حق سے بچتے ہوئے (اس)جماعت کے ایک مخصوص گروہ کی مداہنت بے نقاب فرمائی ہے جہاد کے

---

[1] منارہ المسیح ص ب ت ۔
[2] ضمیمہ تحفہ گولڑیہ صفحہ ۳۹ ۔

سلسلہ میں وہ کام جو انگریز ،(غلام احمد قادیانی کو)نبی بناکر بھی نہ کرسکے، جہاد کی اہمیت کو بڑی گہرائی اور ملمع سازی کے ساتھ ختم کرنے اور کمزوری کا سہارا لے کر اختیار کرنے والی روش کو بے نقاب کیا ہے‘‘۔[1]

کیا موسیٰ ؑتک کسی نبی نے تلوار نہیں اٹھائی؟

ہم نے اوپر مولانا طارق جمیل صاحب کایہ کلام نقل کیا کہ:

’’موسیٰ ؑتک کسی (نبی)نے تلوارا ٹھائی نہیں ۔موسیٰ ؑتک کتنے نبی آئے؟...........لاکھ سے اوپر تو گزرگئے ہوں گے چونکہ موسیٰ ؑاور ہمارے نبی میں دو ہزار سال کا فاصلہ ہے تو دو ہزار سال میں کوئی (تقریباً)چوبیس ہزار آگئے ہوں گے ،لاکھ پہلے ہی گزرگئے ہوں گے لیکن کسی ایک نبی نے تلوار نہیں اٹھائی ۔یوشع ؑپہلے نبی ہیں جنہوں نے تلوار اٹھائی ‘‘۔

اس سے پہلے کہ ہم مولانا صاحب کی اس تاریخی تحقیق کا جائزہ لیں ،ہم دیوبند مکتبہ فکر کے عالم دین مولانامفتی ظفر اقبال صاحب،مدیر و مدرس مدرسہ مفتاح العلوم بھکر کا مولاناطارق جمیل صاحب کی تاریخ دانی کے حوالے سے ایک کلام نقل کردیتے ہیں جوکہ انہوں نے کتاب ’’کلمۃ الھادی الی سواء السبیل ‘‘کی تفریط میں کہا ہے:

---

[1] کلمۃ الھادی الی سواء السبیل،ص:۴۴۔

’’اب کچھ عرصے سے ان کو تاریخ و تحقیق کی چوٹیاں سر کرنے کا شوق لگا ہے اور یہ شوق بھی کوئی ناجائز نہیں تھا اگر یہاں بھی وعظ و تبلیغ والی روایت برقرار رکھی جاتی ،لیکن بدقسمتی سے یہاں وہ اپنے آپ کو اچھے واعظ اور اچھے مبلغ کی طرح ’’اچھامؤرخ‘‘یا ’’اچھا محقق‘‘ ثابت نہ کرسکے بلکہ ان سے شدید نوعیت کی سنگین تاریخی و تحقیقی غلطیاں واقع ہوئیں‘‘۔[1]

چنانچہ اب ہم مولانا طارق جمیل صاحب نے جس تاریخی چیز کا انکشاف کیا ہے اس کو بھی جان لیتے ہیں آیا یہ بات حقیقت پر بھی مبنی ہے یا صرف یہ گھڑا ہوافسانہ ہے؟کیا واقعی موسیٰ ؑتک کسی نبی نے تلوار نہیں اٹھائی؟اس حوالے سے صرف ایک روایت حضرت ابراہیم ؑاور حضرت لوط ؑکے حوالے سے پیش کی جاتی ہے کہ کس طرح ان دونوں نے مل کر اپنے وقت کے جابروں کے خلاف ’’جہاد ‘‘کیااور اللہ کے دشمنوں کو کثیر تعداد میں اپنے ہاتھوں سے قتل کیا اور اس کے بعد باقاعدہ اس کے کام کے لئے لشکر ترتیب دیئے ۔امام ابن کثیر ؒ’’البدایہ والنہایہ‘‘میں نقل کرتے ہیں:

’’ثم أن طائفة من الجبارين تسلطوا على لوط عليہ السلام فأسروہ وأخذوا أموالہ واستاقوا أنعامہ،فلما بلغ أموالہ وقتل من اعداء اللّٰہ ورسولہ خلقاً كثيراً وهزمهم وساق آثارهم حتى وصل الى شرق دمشق وعسكر بظاهر ها عند برزة واظن مقام ابراهيم انما سمى لانہ كان موقف جيش الخليلؑواللّٰہ اعلم‘‘[2]

---

[1] كلمة الهادى الى سواء السبيل،ص:۴۵۔
[2] البداية والنهاية،ج:۱ص:۱۷۶۔

’’تیمن کے ظالم و جابر لوگوں نے حضرت لوط ؑپر حد سے زیادہ ظلم کیا ، ان کا تمام مال لوٹ لیا اور انہیں قید کرلیا۔البتہ جب حضرت لوطؑان کی قید سے نجات حاصل کرنے میں اور کچھ مال واپس لینے میں کامیاب ہوگئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمنوں کو کثیر تعداد میں قتل کیا اور ان کو شکست دی اور پھر تیمن سے مشرقی دمشق کی طرف چلے گئے اور وہاں انہوں نے باقاعدہ فوجی لشکر بھی ترتیب دیئے ۔اس تمام عرصے میں حضرت ابراہیم ؑان کے ہمراہ تھے اس لئے اس شرقی حصے کو ’’جیش ابراہیم‘‘کا مسکن کہاجاتاہے۔ اور اب تک وہ جگہ اسی نام سے مشہور چلی آرہی ہے،واللہ اعلم‘‘۔

چنانچہ حضرت اسماعیلؑجوکہ حضرت موسیٰ ؑسے پہلے کے نبی تھے،رسول اللہ ﷺنے ان کی تیر اندازی کو بطور نمونہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

((ارموا بنی اسماعیل فان اباکم رامیا))[1]

’’اے بنی اسماعیل !خوب تیر چلاؤ ،تمہارے باپ اسماعیل ؑبھی تیر انداز تھے‘‘۔

غرضیکہ دین کی اقامت و حفاظت کے لئے مجموعی طور پرہر نبی نے’’جہاد‘‘کیا ،جس کی شہادت قرآن نے یوں دی :

﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ﴾[2]

’’اس سے پہلے بھی کتنے ہی نبی ایسے گزرچکے ہیں ،جن کے ساتھ مل کر اللہ والوں نے قتال کیا‘‘

[1] صحیح البخاری،ج:۱۰،ص:۳۰،رقم الحدیث:۲۶۸۴۔
[2] آل عمران :۱۴۶۔

اسی بات کوسورہ الحج کی آیت ۴۰ کی تفسیر میں امام قرطبی ؒ نے یوں بیان کیا:

’’أی لولا ما شرعہ اللّٰہ تعالی للانبیاء والمومنین من قتال الاعداء،لاستولی اھل الشرک وعطلوا مابینتہ أرباب الدیانات من مواضع العبادات، ولکنہ بأن أوجب القتال لیتفرغ اھل الدین للعبادۃ۔ فالجھادأمر متقدم فی الامم،وبہ صلحت الشرائع واجمعت المتعبدات...........أی لولا القتال والجھاد لتغلب علی الحق فی کل أمۃ۔فمن استبشع من النصاری والصابئین الجھاد فھومناقض لمذھبہ،اذ لولا القتال لما بقی الدین الذی یذب عنہ...........أی لولاھذا الدفع لھدم فی زمن موسی الکنائس،وفی زمن عیسی الصوامع والبیع،وفی زمن محمد علیہ السلام المساجد‘‘[1]

’’اگراللہ تعالیٰ انبیاء کرام اور(ہر زمانہ کے)اہل ایمان کو دشمنان اسلام سے’’قتال‘‘ کا حکم نہ دیتے تو اہل شرک غالب آکر اہل حق کی عبادت گاہوں کو ویران کردیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو دفع کیا ،اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ نے کفار سے لڑنے کو فرض قرار دیا تاکہ اہل حق اپنی عبادت میں امن سے رہیں پس ’’جہاد‘‘ہر آسمانی مذہب میں برابر چلاآرہاہے اور اسی کے ذریعہ سے شریعتوں کی ’’اصلاح‘‘ہوتی ہے اور عبادت گاہیں برقرار رہتی ہیں...........اگرہر زمانہ میں جہاد و قتال نہ ہوتا تو کافر اہل حق پر غالب آجاتے۔ پس یہود ونصاریٰ میں سے جس نے بھی جہاد کو ناپسند کیا تواس نے اپنے مذہب کے منافی کام کیا کیونکہ اگر کفار کے ساتھ جہاد و قتال نہ ہوتا تو کوئی قابل قدر آسمانی مذہب باقی نہ رہتا.پس اگر اللہ تعالیٰ کی طرف یہ

[1] تفسیر القرطبی،ج۔۱۲ص:۷۰۔

(جہاد)کا دفاعی نظام نہ ہوتا تو موسیٰ ؑ کے زمانے میں عبادت خانے گرادیئے جاتے اور عیسیٰ ؑکے زمانے میں گرجے اور راہبوں کی کوٹھریاں گرادی جاتی اور محمد ﷺکے زمانے میں مسجد ڈھادی جاتی ‘‘۔

چناچہ علامہ شبیر احمد عثمانی ؒسورہ البقرہ کی آیت کی تفسیر میں قصہ طالوت و جالوت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

’’اس سے معلوم ہوگیا ہے کہ ’’حکم جہاد‘‘ہمیشہ سے چلاآرہاہے اوراس میں اللہ کی بڑی رحمت اور احسان ہے۔ نادان(ہیں وہ جو یہ)کہتے ہیں کہ لڑائی نبیوں کا کام نہیں ‘‘۔[1]

ہمارے نبی ﷺہمارے لئے حجت:

اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ کسی نبی نے بھی تلوار نہیں اٹھائی یعنی طاقت کااستعمال نہیں کیا، گو کہ اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں جیساکہ ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں ،پھر بھی امت محمدیہ ﷺکے لئے یہ دلیل حجت نہیں بن سکتی کہ کسی نبی نے شریعت کے نفاذ کے لئے تلوار نہیں اٹھائی کیونکہ ہم شریعتِ محمدی ﷺکے پیروکار ہیں اور ہمارے نبیﷺ کی تو بعثت ہی ’’تلوار‘‘کے ساتھ ہوئی ہے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺنے خود اس کی وضاحت کردی کہ مجھے قیامت تک کے لئے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا:

((بعثت بین یدی الساعة بالسیف، حتیٰ یعبداللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ وجعل رزقی فی تحت ظل

---

[1] تفسیر عثمانی صفحہ۱۶۴۔

رمحی، وجعل الذّل والصغار علیٰ من خالف أمری، ومن تشبہ بقوم فھو منھم))[1]

’’مجھے قیامت تک کے لئے’’تلوار ‘‘کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے ،یہاں تک کہ اللہ وحدہٗ لا شریک کی عبادت کی جانے لگے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھ دیا گیا ہے اورجس نے میرے (اس)’’امر‘‘ کی مخالفت کی ،اُس کے لئے ذلت اور پستی رکھ دی گئی اور جس نے (میرے اس طریقے کو چھوڑکر)کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو(اس کا شمار)اُنہی میں ہوگا‘‘

((أمرت أن أقاتل الناس حتی یشھدوا أن لاالٰہ الا اللہ وأنّ محمداًرسول اللہ ویقیموا الصلا ة ویؤتوا الزکاة فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماء ھم وأموالھم الا بحقّھا وحسابھم علی اللہ))[2]

’’مجھے حکم دیاگیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ’’لاالٰہ الااللہ محمدرسول اللہ‘‘کی گواہی نہ دیں اورنماز قائم کریں اورزکوٰۃادا کریں، جب وہ یہ کام کریں گے توان کا مال اورجان محفوظ ہے سوائے اس حق کے اور ان کاحساب اللہ پر ہے۔ ‘‘

ہمارا نبی گھمسان کی جنگوں والا نبی:

نبی کریم ﷺنے اپنے بارے میں واضح طور پر یہ فرمایا کہ میں نبی الملاحم یعنی ’’گھمسان کی جنگوں‘‘والا

[1] مسنداحمد،ج:۱۰،ص:۴۰۵،رقم الحدیث:۴۸۶۹۔کنزالعمال،ج:۴،ص:۲۸۶،رقم الحدیث:۱۰۵۲۸۔مصنف ابن ابی شیبة،،ج:۴،ص:۵۷۵۔شعب الایمان،ج:۳،ص:۲۵۱،رقم الحدیث:۱۲۰۲۔
[2] صحیح البخاری،ج:۱،ص:۱۷،رقم الحدیث:۲۵۔

نبی ہوں۔ ایک حدیث میں آپ ﷺنے اپنا ناموں میں سے یہ نام بھی بتائے :

((أنا........... نبی الملحمة .... و نبی الرحمة))[1]

’’میں گھمسان کی جنگوں والا نبی...........اور رحمتوں والا نبی ہوں‘‘۔

((أنا رسول الرحمة...........أنا رسول الملحمة...........بعثت بالجهاد ولم أبعث بالزراع))[2]

’’میں رسول رحمت بھی ہوں اور میں گھمسان کی جنگوں والا نبی بھی ہوں...........مجھے بھیجاگیا ہے جہاد کے ساتھ اور مجھے کھیتی باڑی کرنے والا بناکر نہیں بھیجا‘‘۔

((ان اللّٰہ بعثنی ملحمة ومرحمة،ولم یبعثنی تاجراً ولا زراعاً))[3]

’’بے شک اللہ نے مجھے بھیجا ہے گھمسان کی جنگوں والا اور رحمت والا بناکراور مجھے نہیں بھیجا تاجر بناکر اور نہ ہی کھیتی باڑی کرنے والا بناکر‘‘۔

سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی آپ کی یہی صفات منقول ہوئی تھیں۔امام سرخسی ؒنے تورات میں مذکور الفاظ کو اپنی کتاب یوں نقل کیاہے:

[1] مسند احمد،ج:۴۰،ص:۲۱،رقم الحدیث:۱۸۷۰۴۔المعجم الکبیر للطبرانی،ج:۲۰،ص:۱۶۸،رقم الحدیث:۱۵۷۳۔مسند ابی یعلی،ج:۱۵،ص:۴۵،رقم الحدیث:۷۰۸۵۔صحیح ابن حبان،ج:۲۶،ص:۱۶۶،رقم الحدیث:۶۴۲۰۔
[2] کنزا لعمال،ج:۱۱،ص:۴۶۲،رقم الحدیث:۳۲۱۶۷۔
[3] کنز العمال،ج:۴،ص:۲۸۲،رقم الحدیث:۱۰۵۰۰/۱۰۵۰۱۔

’’وصفته فی التوراة:نبی الملحمة عیناہ حمراوان من شدة القتال‘‘[1]

’’تورات میں نبی کریمﷺکی یہ صفت مذکور ہے کہ وہ گھمسان کی جنگوں والا نبی ہوگا (اور)شدتِ جنگ کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں سرخ ہوں گی‘‘۔

رسول اللہ ﷺجب اس دنیاسے پردہ فرماگئے توآپﷺ کے گھرپر کچھ بھی مال نہیں تھا کہ جووراثت میں تقسیم ہوتا البتہ آپﷺکے گھر میں نوعدد تلواریں لٹک رہی تھیں۔ اسی طرح آپﷺنے جب رومیوں کے خلاف لشکر کشی کے لئے’’جیش اسامہ‘‘بھیجنے کا فیصلہ کیاتو لشکر کی روانگی کا وقت جبکہ آپ ﷺکا مرض الوفات شروع ہوچکا تھا اور آپﷺعلیل تھے اس کے باوجود آپ نے اپنے دست مبارک سے جنگ کا نشان بناکران کو دیا اور یہ نصیحت کی جوکہ آج امت مسلمہ کے لئے وصیت کا درجہ رکھتی ہے :

((اغز بسم اللّٰہ وفی سبیل اللّٰہ فقاتل من کفر باللّٰہ))

’’بسم اللہ کرکے اللہ کے راستے میں قتال کے لئے نکلواور جولوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں ان سے لڑتے رہو‘‘۔

تلواریں جنت کی کنجیاں :

جس طرح نماز کو جنت کی کنجی قرار دیا گیا اسی طرح اللہ کی راہ میں چلنے والی ’’تلواروں ‘‘کو بھی جنت کی کنجیاں قرار دیاگیا۔رسول اللہ ﷺنے فرمایا:

[1] شرح السیر کبیر،ج:۱،ص:۱۹۔

((السیوف مفاتیح الجنة))[2]

’’(جہاد میں چلنے والی)تلواریں جنت کی کنجیاں ہیں‘‘۔

یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن جب تمام جن و انس اپنے حساب و کتاب کے لئے حشر کے میدان میں کھڑے ہوں گے اور اپنی اپنی باری آنے کا انتظار کررہے ہوں گے تو وہ لوگ جو تلواروں کے سائے تلے اس دنیا سے رخصت ہوئے وہ اس وقت عرش کے گرد تلواریں لٹکائے جنت میں گھوم پھر رہے ہوں گے۔امام ابن کثیر سورہ الزمر کی آیت ۶۸کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل ؑسے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہوں گے جن کوحشر کے دن کی گھبراہٹ سے محفوظ کردیا گیا تو حضرت جبرائیل ؑنے فرمایا :

’’(جب صور پھونکا جائے گا تو)یہ خوش قسمت شہداء ہوں گے جو اپنی تلواریں لٹکاکر عرش کے گرد چہل قدمی کررہے ہوں گے ۔فرشتے ان کو یاقوت کے اونٹوں پر محشر کی جانب لے کر چلیں گے جن کی زین ریشم سے نرم ہوگی اور ان کا ایک قدم آدمی کی منتہائے نظر پر ہوگا ،وہ جنت کی سیر کریں گے اور کچھ دیر تفریح کے بعد وہ کہیں گے کہ ہمیں ہمارے رب کے پاس لے چلو تاکہ ہم دیکھیں گے کہ اللہ اپنی مخلوق کے درمیان کس طرح فیصلے کررہے اور اللہ رب العزت ان کو دیکھ کر مسکرائیں گے اور جب اللہ کسی بندے کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں تو اس بندے سے کوئی حساب کتاب نہیں لیا جاتا ۔‘‘[2]

---

[2] المستدرک علی الصحیحین للحاکم،ج:۱۴،ص:۱۴۹،رقم الحدیث:۶۱۳۴۔کنز العمال،ج:۴،ص:۲۹۸،رقم الحدیث:۱۰۵۸۰۔

[2] تفسیر ابن کثیر ،ج:۷ص:۱۱۷۔

جب ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان السیف محاء للخطایا))[1]

’’بے شک تلوار گناہوں کو مٹادیتی ہے‘‘۔

نبی کریم ﷺ تلوار اب اپنی امت کے ہاتھوں میں دے گئے:

جس تلوار کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تھی وہی تلواراللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کو دے کر چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أفشوا السلام وأطعموا الطعام واضربوا الهام تورثوا الجنان))[2]

’’سلام کو عام کرو ،غریبوں کو کھانا کھلاؤ اور جہاد میں کافروں کی کھوپڑیا ں اڑاؤ تو اس طرح تم جنت کے وارث بنوگے‘‘۔

((عن ابی ھریرۃ ؓ قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول:ألا أحدثكم بما يدخلكم الجنة؟قالوا بلى،قال ضرب السيف،وطعام الضيف،واهتمام لمواقيت الصلا ة))[3]

’’حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ’’ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمہیں جنت میں داخل کردے ‘‘صحابہ کرام ؓ نے فرمایا کہ ضرور ہمیں

1 مسند احمد،،ج:۳۶،ص:۵۵،رقم الحدیث:۱۶۹۹۸۔
2 کنز العمال،ج:۹،ص:۱۱۵،رقم الحدیث:۲۵۲۵۱،سنن الترمذی،ج:۷،ص:۴۹،رقم الحدیث:۱۷۷۷ھذا حدیث حسن صحیح غریب۔
3 اخرج ابن عساکرباسنادہ بحوالہ مشارع الاشواق الی مصارع العشاق۔

بتادیجئے۔ نبی کریم ﷺنے فرمایا ''تلوار سے (کافروں پر)مارنا،مہمان کو کھانا کھلانا ،فرض نمازوں کے اوقات کا اہتمام کرنا''۔

دین کی اقامت کا سب سے اہم اور بڑا ذریعہ :

اس حقیقت کو بھی قرآن و حدیث میں بالکل واضح کردیا گیا کہ شریعت کے نفاذ کے لئے جو ''تلوار ''نبی کریم ﷺکو عطا کی گئی اب وہ قیامت تک دین کے قیام اور اس کی حفاظت کے لئے چلتی رہے گی ۔باالفاظ دیگر ''جہاد''تاقیام قیامت جاری رہے گا۔

((بعثت بین یدی الساعة بالسیف))[1]

''مجھے قیامت تک کے لئے''تلوار ''کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے''۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺنے دین کی اقامت و حفاظت کا قیامت تک سب سے بڑا ذریعہ ''جہاد فی سبیل اللہ ''ہی کو قرار دیا گیا:

((لن یبرح ھذا الدین قائماً یقاتل علیہ عصابة من المسلمین حتی تقوم الساعة))[2]

''یہ دین قائم رہے گا کیونکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے(قیام کے)لئے قتال کرتی رہے گی قیامت واقع ہونے تک''۔

---

[1] مسنداحمد،ج:۱۰،ص:۴۰۵،رقم الحدیث:۴۸۶۹۔کنزالعمال،ج:۴،ص:۲۸۶،رقم الحدیث:۱۰۵۲۸۔مصنف ابن ابی شیبة،ج:۴،ص:۵۷۵۔شعب الایمان،ج:۳،ص:۲۵۱،رقم الحدیث:۱۲۰۲۔

[2] صحیح مسلم ،ج:۱۰،ص:۳۸،رقم الحدیث:۳۵۴۶۔کنزالعمال،ج:۱۲،ص:۱۶۴،رقم الحدیث:۳۴۴۹۵۔

حضرت جابر ؓنے ایک دفعہ اپنے ہاتھ میں قـرآن اور تلوار کو لے کریہ اصول واضح کردیا:

((عن عمرو بن دينار قـال رأيت جـابر بن عبـد اللّٰہ وبيدہ السيف والمصحف وهو يقول:امرنا رسـول اللّٰہ ﷺ أن نضرب بهذا من خالف مافی هذا))[1]

’’عمـرو بن دينـار کہتے ہیں کہ میں نے حضـرت جـابرؓکودیکھـا اس حـال میں کہ ان کے ہاتھ میں ’’تلـوار‘‘اور قـرآن تھـا اور انہوں نے کہا :’’ہمیں رسول اللہ ﷺنے حکم دیا کہ ہم اس تلوار سے اُس کو ماریں جو اس قرآن کے خلاف چلے‘‘۔

حضرت عمرؓفرماتے ہیں:

’’واللّٰہ لمـا يـزع اللّٰہ بالسـلطان اعظم ممـايزع بالقرآن‘‘[2]

’’اللہ کی قسم!بعض اوقـات اللہ تعـالیٰ ’’طـاقت ‘‘سـے وہ کـام لیتـا ہے جـو کہ بـڑھ کرہوتے ہیں بنسبت اس کے جو وہ قرآن سے لیتا ہے‘‘۔

حضـرت عبـداللہ بن رواحہؓنے قـریش مکہ کـو مخاطب کرکے فرمایا تھا :

خلـــوا بــنی الکفـــار عن ســـبیلہ
قـــد انـــزل الـــرحمٰن فی تـــنزیلہ
بـــان خـــیر القتـــل فی ســـبیلہ
نحن قتلنـــــا لکم علی تـــــاویلہ
کمـــــا قتلنـــــا کم علی تـــــنزیلہ

[1] کنز العمال،ج:۱،ص:۳۸۴،رقم الحديث:۱۶۶۴۔
[2] فتح القدير،ج:۴،ص:۳۵۰۔الدرالمنثور،ج:۶،ص:۳۱۱۔کنز العمال،ج:۵،ص:۷۵۱،رقم: ۱۴۲۸۴۔

’’اے کافروں کی اولاد!رسول اللہ ﷺ کا راستہ چھوڑ دو ،بے شک مہربان اللہ نے اپنے کلام میں فرما یا ہے کہ:’’ بہترین قتل وہ ہے جو اس کی راہ میں ہو‘‘۔ ہم تم کو قتل کریں گے اس قرآن کے احکامات منوانے پر بھی، جیساکہ ہم نے تم کو قتل کیا تھا اس کے نزول کے منوانے پر ‘‘۔[1]

اسی لئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

’’فمن عدل عن الکتاب قوم بالحدید؛ولھذا کان قوام الدین بالمصحف والسیف۔وقد روي عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنھما قال:((أمرنا رسول اللہ ﷺأن نضرب بھذا))یعنی السیف من عدل عن ھذا یعنی المصحف ‘‘[2]

’’پس جو شخص کتاب اللہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے،اُسے لوہے (یعنی تلوار)سے سیدھا کیاجائے،اس لئے کہ دین کا قیام ،دین کی مضبوطی اور پائیداری کتاب اللہ اور شمشیر سے ہوتی ہے۔سیدناجابربن عبداللہ ؓ سے مروی ہے ،وہ کہتے ہیں ہمیں رسول اللہ ﷺنے ہمیں حکم دیا ہے :((اَنْ نَضْرِبَ بِھَذَا))’’یعنی تلوار سے اُسے ماریں جو قرآن سے منہ موڑے‘‘۔

’’دین حق کے لئے آسمانی کتاب کا ہونا ضروری ہے جو ہدایت کا روشن مینا رہواور اس کتاب کی مدد کے لئے ’’تلوار‘‘مددگار ہو،اس کتاب اللہ میں اوامر و نواہی یعنی کرنے اور نہ کرنے کے احکامات ہوں گے اور ’’تلوار‘‘برابر اس کی مدداورتائید کرتی رہے گی‘‘[3]

---

[1] رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح ،مجمع الزوائد،ج:۶،ص:۱۴۷،فتح الباری لابن حجر،ج:۱۲ص:۶۵۔

[2] السیاسۃ الشرعیۃ :باب کیفیة معرفة الأصلح فی الولایة،ص۱۹۔

[3] منہاج السنۃ ،ج:۱ص:۱۴۲۔

قیامت تک جنگ اپنے ہتھیار نہیں ڈالے گی :

قرآن و سنت میں جہاں ایک طرف جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت و اہمیت اور فرضیت کو بیان کیا گیا ہے، وہاں اس حقیقت کو بھی کھول کربیان کردیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جس جنگ کا آغاز ہواتھا اب وہ قرب قیامت حضرت عیسیٰ ؑ کے نزول تک وہ بغیر کسی وقفے اور تعطل کے جاری رہے گی ۔قرآن کریم میں کافروں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلاَ یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا﴾

’’اور یہ (کافر)اب تم سے اس وقت تک اپنی پوری قوت کے ساتھ لڑتے رہیں گے یہاں تک کے تمہیں اپنے دین کی طرف پھیردیں ‘‘۔[1]

بس اسی لئے قرآن کریم میں مسلمانوں کو بھی یہ حکم دے دیا گیا کہ :

﴿وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ﴾[2]

’’اور قتال کرتے رہو ان (کافروں)سے یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے اور دین کل کاکل اللہ ہی کے لئے ہوجائے‘‘۔

اسی حقیقت کو احادیث میں یوں بیان کیا گیا:

((عن سلمة بن نفیل الکندی قال کنت جالسا عند رسول اللّٰہ ﷺ فقال رجل یارسول اللّٰہ أذال الناس الخیل ووضعوا السلاح وقالوا لا جهاد قد وضعت

[1] البقرة:۲۱۷۔
[2] سورة الانفال:۳۹۔

الحرب اوزارها ،فأقبل رسول اللّٰہ ﷺ بوجهہ وقال كذبوا،الآن الآن جاء القتال ولا يزال من امتى أمةيقاتلون على الحق ويزيغ اللّٰہ لهم قلوب أقوام ويرزقهم منهم حتى تقوم الساعة وحتى يأتى وعد اللّٰہ والخيل معقود فى نواصيها الخير الى يوم القيامة))[1]

’’سلمہ بن نفیلؓ سے روایت ہے ‘کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کی مجلس بابرکت میں بیٹھاتھا کہ ایک آدمی کہنے لگا:حضورلوگوں نے گھوڑے باندھ لئے ہیں اور ہتھیار رکھ دیئے ہیں کہتے ہیں’’اب کوئی جہادنہیں ‘‘بس اب جنگ نے اپنے ہتھیار ڈال دیئے (یعنی جنگ ختم ہوچکی ہے)۔ رسول اکرم ﷺ نے چہرہ مبارک آگے کیا، فرمانے لگے :’’جھوٹ کہتے ہیں وہ لوگ، اب تو آیا ہے قتال کا وقت ، اورمیری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قتال کرتی رہے گی ‘ان کے لئے اللہ کچھ قوموں کے د ل ٹیڑھاکردے گا اور انہی سے ان کو رزق بھی فراہم کرے گا حتی کہ قیامت آجائے گی اور حتی کہ اللہ کا وعدہ آجائے گا ‘اور قیامت تک کے لئے اللہ نے گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ خیرکو وابستہ کردیا ہے ‘‘۔

اسی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں جوکہ دوسری روایات میں موجود ہیں :

((ولاتضع الحرب اوزارها حتى يخرج ياجوج ماجوج))[2]

---

[1] سنن النسائی،ج:۱۱ص:۳۰۸،رقم الحدیث:۳۵۰۵۔مسند احمد،ج:۳۴،ص:۳۱۸،رقم الحدیث:۱۶۳۵۱۔

[2] المعجم الکبیر للطبرانی،ج:۶ص:۱۵۷،رقم الحدیث:۶۲۳۶۔ کنزالعمال،ج:۱۲ص:۱۷۸،رقم الحدیث:۳۴۵۵۴۔

’’اور جنگ اپنے ہتھیار نہیں ڈالے گی (یعنی ختم نہیں ہوگی)یہاں تک یاجوج ماجوج نکل آئیں ‘‘۔

بس جولوگ یہ سب کچھ جاننے اور علم رکھنے کے باوجود یہ کہیں کہ ’’ابھی جہاد کا وقت نہیں آیا‘‘تو ان کے بارے میں رسول اللہ نے ارشادفرمایا:

((لایزال الجھاد حلوا اخضر ماقطر القطر من السماء،وسیأتی علی الناس زمان یقول فیہ قراء منھم :’’لیس ھذا زمان جھاد‘‘۔فمن ادرک ذلک الزمان فنعم زمان الجھاد۔قالوا یارسول اللّٰہ!واحد یقول ذلک؟فقال:نعم من علیہ لعنۃ اللّٰہ والملائکۃ والناس اجمعین(وفی روایۃ)أولئک ھم وقود النار))[1]

’’جب تک آسمان سے بارش برستی رہے گی تب تک جہاد ترو تازہ رہے گا۔اور لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جب ان کے علماء یہ کہیں گے کہ یہ جہاد کا زمانہ نہیں ہے ۔لٰذا ایسا دور جس کو ملے تو وہ’’جہاد کا بہترین زمانہ‘‘ہوگا ۔ صحابہ ؓنے پوچھا یارسول اللہ ﷺ!کیا کوئی ایسا کہہ سکتا ہے ؟ آپ نے فرمایا ’’ہاں وہ جس پر اللہ کی لعنت،فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت ہو!(اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ)یہی لو گ جہنم کاایندھن ہوں گے‘‘۔

((عن انس بن مالک ؓقال قال رسول اللّٰہ :من غزا غزوۃ فی سبیل اللّٰہ فقد أدی الی اللّٰہ عزوجل جمیع طاعۃ۔فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا۔قال قیل یارسول اللّٰہ:وبعد

[1] کنزالعمال ،ج ۴،ص۳۲۸رقم الحدیث ۱۰۷۴۲ ۔السنن الواردۃ فی الفتن ج:۱ص:۴۳۳،رقم الحدیث:۳۷۳واسنادہ فیہ کلام ۔

ھـــذا الحـــدیث الـــذی ســـمعنا منـــک من یـــدع الجھادویقعد؟قال:من لعنہ اللّٰہ وغضب علیہ وأعــد لہ عذاباعظیماقوم یکونون فی آخر الزمان لایـرون الجھاد وقد التخذ ربی عندہ عھداًلایخلفہ أیمـا عبـد لقیہ وھویری ذلک أن یعذبہ عذابا لایعذبہ احـدا من العالمین))[1]

’’حضرت انس بن مالکؓسے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺنے فرمایــا :’’جس نے اللہ کی راہ میں ایــک جنــگ بھی لــڑی تــو اس شــخص نے اللہ کی کلی اطاعت کرلی (پھــرآپ نے یہ آیت تلاوت کی)’’پس جس جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے انکـار کردے لیکن ہم نے انکار کرنے والے ظالموں کے لـئے آگ تیــار کــررکھی ہے‘‘۔ حضــرت انس بن مالــک ؓفرماتے ہیں کہ پوچھا گیــا کہ یارســول اللہ !اس حدیث کے بعد جو ابھی آپ ســے ہم نے ســنی ،اگــر کوئی شخص جہاد چھوڑ کربیٹھ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟آپﷺنے فرمایا :’’یہ ایک شخص ہے جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پرغضب نــاک ہوا اور اس کے لئے بڑاعذاب تیار کررکھا ہے۔آخری زمــانے میں ایک ایســی قــوم اٹھی گی جــو جہاد کــو تــرک کردے گی ،پس میرے رب نے یہ عہد کرلیــاہے (اور وہ اپنے عہد کی خلاف نہیں کرتا)کہ جــو شــخص بھی اللہ ســـے اس حـــال میں ملا کہ اس نے جہاد کو ترک کرررکھا تھا تو اس کو ایسا عذاب دیا جــائے گا جو اس سے پہلے تمام جہان والــوں میں کســی کو نہیں دیا گیا‘‘۔

آخری بات:

[1] اخرجہ ابن عساکرفی باب التغلیظ فی ترک الجھادبتمامہ بحوالہ مشارع الاشواق الی مصارع العشاق۔

ی تھ و چنــــدحقائق و گزارشـــات جـــوک الــــدین النصــیحة ’’دین خــیرخوای کــا نــام ‘‘ک تحت عــام مســلمانوں اور خصوصــاً تبلیغی جمــاعت ســ وابســت احباب و متعلقین ک سامن رکھن کی کوشــش کی گــئی تــاک و اس جمــاعت کوشــریعت ک بیــان کــرد منج وفکر پر ل کر آئیںبصورت دیگر پھر اپنی ســاری محنت و سعی ان بندگانِ خدا کی مــدد ونصــرت میں لگــا دیجئ جــو اس کلم توحیــدکی ســربلندی کی خــاطر’’نظــام طاغوت‘‘ک ان‌دام ک لئ صحیح اسلامی منج وفکر ک مطابق اس آیت مبارک کی روشنی میں میــدان میں اُتــر چک یں اور اپنا سب کچھ اس را میں لٹار یں :

وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لاَ تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ[1]

’’اور لڑت رواں(نظام باطــل ک محــافظوں)ســ یاں تــک ک فتن بــاقی ن ر اور دین پــورا کــا پورا الل ک لئ وجائ‘‘

الل تعــالیٰ ســ دعــا ک و میں صــحیح ســمجھ عطا فرمائ اور میں دین مــتین ک ســچ ســاتھیوں کــا ساتھ نصیب فرمائ اورالل تعــالیٰ ســ ی بھی دعــاء ک گفتگو ک دوران جو بات حق بیان کی گئی اس پر م سب کو عمل کرن کی توفیق عطا فرمــائ اور جــو بــات خلاف حق نکل گــئی واس کومــار ذنــوں ســ محــو فرمائ اور م سب کو رشد ودایت ک راست پر چلــن کی توفیق عطا فرمائ،آمین!رسول الل تجد کی نمــاز ک آغاز س پل ی دعامانگا کرت تھ اور م بھی اسی ک طالب یں:

((اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرَائِیْـــــلَ وَمِیْکَائِیْـــــلَ وَاِسَـــــرَافِیَلَ فَاطِرَالسَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَةِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْمَاکَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ اِھْـدِنِیْ لِمَـا

[1] الانفال:۳۸

اخْتُلِفَ فِیْہِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِکَ اِنَّکَ تَھْدِیْ مَنْ تَشَآئُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ))[1]

’’اے اللہ !اے جبرائیل اورمیکائیل اور اسرافیل کے رب!زمین وآسمان کو پیدا کرنے والے!غیب اور حاضر کا علم رکھنے والے !آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان ان معاملات کا فیصلہ کریں گے جن میں وہ آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے !پس آپ ہی اس معاملے میں اپنے اذن سے(اس)حق کی طرف میری رہنمائی کیجئے جس میں لوگ اختلاف کررہے ہیں بلاشبہ آپ جسے چاہتے ہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دے دیتے ہیں‘‘۔

وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی[2]

’’سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے‘‘

[1] صحیح مسلم،ج:۴ص:۱۶۸،رقم الحدیث:۱۲۸۹۔
[2] طہٰ:۴۷۔

((أردية الغزاة السيوف))[1]

’’تلواریں غازیوں کی چادریں ہیں‘‘

((من اشراط الساعة أن تعطل السيوف من الجهاد))[2]

((من اشراط الساعة ......و تعطل السيوف عن الجهاد))[3]

<u>غزوۂ بدر کے بارے میں تضاد بیانی :</u>

[1] مصنف عبدالرزاق،ج:۵،ص:۳۰۶،رقم الحديث:۹۷۰۰۔
[2] كنز العمال،ج:۱۰،ص:۲۰۱۔
[3] كنز العمال،ج:۱۴،ص:۲۴۰،رقم الحديث:۳۸۵۵۸۔

تبلیغی جماعت کے نامور مقررمولانا طارق جمیل صاحب مسجد عائشہ ،فیصل آباد میں خطبۂ جمعہ دیتے ہوئے کہتے ہیں :

’’ہم ہیں کچھ مسلمان ،ہمیں کہاں سے راستہ ملے گا؟بدر میں تین سو تیرہ (۳۱۳)تھے ،تم نے ابھی تک تین سو تیرہ بھی تیار نہیں کئے ہیں ناسمجھنے کی وجہ سے باتیں ہورہی ہیں کہ ’’الجہاد،الجہاد‘‘۔ابھی تک ۳۱۳بھی تیار نہیں ہوئے ‘‘۔[1]

لیکن دوسری طرف غزوۂ بدر کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’بدر ہمارے لئے دلیل نہیں بن سکتا ۔بدر تو صحابہ کے لئے بھی دلیل نہ تھا۔اگر بدر دلیل ہوتا تو خندق میں پریشان ہونے کی کیا ضرورت کیوں تھی؟سارے سر جوڑ کے بیٹھے ہیں کیا کریں؟ ۱۰ ہزارکا لشکرلے کر ابو سفیان آرہا ہے ،کوئی ایک تو کھڑا ہوکے کہہ دیتا یا رسول اللہ!کیا بات ہے ،آرہا ہے تو آنے دیں ۔(کیا)بدر میں فرشتے نہیں آئے تھے ؟اب بھی فرشتے آجائیں گے!ہمیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے !آئیں تو سہی،ہم ان کی پسلیاں توڑ کر رکھ دیں ۔چلو صحابی تو صحابی ہے ،اللہ کا نبی ہی تسلی دیتا کہ ڈرو نہیں،غم نہ کرو ،فرشتے موجود ،جبریل موجود ،اللہ موجود،فرشتے آئیں گے ،فتح ہوجائے گی ‘‘۔[2]

ایک اور جگہ’’غزوۂ بدر ‘‘کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

[1] بحوالہ’’کلمۃالھادی الی سواء السبیل‘‘ص:۴۸۔
[2] بحوالہ’’ کلمۃ الھادی الی سواء السبیل‘‘ص:۱۷۸۔

’’جذبہ اور عقل دو مختلف چیزیں ہیں۔تو وہ لوگ سمجھ بیٹھے کہ ’’بدر‘‘والا معاملہ ہمارے ساتھ ہوجائے گا۔ (حقیقتاً)بدر’’معجزہ‘‘ ہے ،معجزہ دلیل نہیں ہواکرتے ۔اللہ نے اپنے نبی کے لئے جو معجزے چھوڑا وہ علم چھوڑاہوہے۔ لاٹھی کا سانپ بن جانا ،مردے کا زندہ ہوجانا ،اونٹنی کا پتھر سے نکل آنا (غرضیکہ)آپ ﷺ نے زندہ علمی معجزہ چھوڑا۔’’بدر‘‘ایک معجزہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا تھا کہ ’’میں اہل ایمان کے ساتھ ہوں ‘‘۔اگر بدر والی حجت ہوتی تو خندق کھودنے کی کیا ضرورت تھی۔بدر میں ۳۱۳اور مدینہ میں تین ہزار ہے ۔اگر بدر والی ترتیب حجت ہے اور بس جبرائیل بھی آجائے گا اور میکائیل بھی آجائے گا تو خندق کھودنے کی کیا ضرورت ہے؟‘‘۔

اسی طرح تبلیغی جماعت کے نامور اکابر مولانا احمد صاحب مسلمانوں کی موجودہ ذلت و پستی کا ذمہ دار جہاد کرنے والوں کو قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

’’بدر میں ایک ہتھیار نہیں ایک تلوار نہیں اور وہ (کفار)تین گنا ہیں، (پھربھی)ان پر غالب ہیں اور (آج) یہاں ساری مار پڑرہی ہے۔اللہ نے عقل دی ہے سوچنا چاہیے ایسے ہی اٹھ کر (جہاد پر)چلے جائیں‘‘۔[1]

⋆ غزوۂ خندق کے موقع پر قیصر و کسریٰ کی فتح کی بشارت

[1] اپریل ۲۰۰۹ء اسلام آباد اجتماع کی کیسٹ ریکارڈنگ سے ایک اقتباس ۔سرحد اسلامی کیسٹ گھر ،روالپنڈی ۔

★ کیا بدر میں مقدور بھر استعداد لے کر میدان میں نہیں آئے ؟

’’جہاد کا منکر تو پکا کافر ہے ،ہاں وقت میں اختلاف ہے ہم کچھ مسلمان ہیں ،اس بھنور سے نکلنے کے لئے صحابہ کے دور سے ہمیں راستہ نہیں ملے گا ،پیچھے جانا پڑے گا بنی اسرائیل میں‘‘۔[1]

جب جہاد ’’فرض عین ‘‘ہوجائے تو اس بارے میں شاہ اسماعیل شہید ؒفرماتے ہیں:

’’ضروری ہے کہ ہر شخص تن تنہا،اگرچہ ضعیف اور کم استطاعت ہو ،امام کی آواز سن کر اپنے گھر سے نکل پڑے،جس قدر سامانِ جنگ میسر ہو لشکرِ اسلام میں پہنچادے تاکہ ’’قیام جہاد‘‘کی صورت پیدا ہو، نہ یہ (جہاد کے لئے نکلنے والوں پر لعنت ملامت کرتے ہوئے)اپنے آپ کو عباد اللہ کے زمرے سے نکال کر پیٹ پر ست لوگوں میں داخل ہو،دین متین کے اسرکن کو چھوڑ کر دنیاداروں کی کاسہ لیسی اور عورتوں کی فرج رسائی کو اپنا پیشہ بنالے‘‘۔[2]

چنانچہ جولوگ کفار سے ’’قتال ‘‘کے لئے ان کے مساوی قوت و استعداد کے حصول کو لازمی قرار دیتے ہیں ،وہ تو شاید قیامت تک بھی مسلمانوں کوحاصل نہ ہوسکے سوائے اللہ کی مدد ونصرت کے،پھر تاریخ اسلام ا س بات کی شاہد ہے کہ اہل ایمان نے کبھی جنگوں میں کامیابی اپنی قوت و استعداد کی بناء پر حاصل نہیں کی اور نہ ہی کبھی ان کو کفار کے مساوی طاقت

[1] بحوالہ’’کلمة الهادی الی سواء السبیل‘‘ص:۴۸۔

[2] ترجمہ و تلخیص،مکاتیب سید احمد،ص:۷۶،مکتبہ سید احمد شہیدبحوالہ’’کلمة الهادی الی سواء السبیل‘‘ص:۲۰۰۔

و استعداد حاصل رہی،سوائے چند ایک استثناء کے ،ہمیشہ ان کو فتح و کامرانی جزبۂ جہاد ، مقدوربھر تیاری اور پھر اللہ پر کامل توکل کی بنیاد پر ملی۔

غزوۂ حنین کے موقع پر جب مسلمانوں کو اپنی کثرتِ تعداد اور اپنی طاقت و استعداد پر تھوڑا سا ناز ہوگیا تھا ،تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً تنبیہ اس صورت میں آئی کہ لشکر اسلام کے عارضی طورپر قدم اکھڑنے لگے،مگر بعد میں اللہ کی نصرت ومدد سے فتح یا بی نصیب ہوئی۔

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَo ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ o﴾[1]

’’بے شک اللہ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد فرمائی اور غزوۂ حنین کے دن بھی جبکہ تمہیں اپنی کثرتِ تعداد پر ناز تھا ،مگر وہ تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے ۔پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول ﷺ پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اُتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے اُن لوگوں کا جو حق کا انکا رکریں‘‘۔

آج بھی اگر اہل ایمان کا اللہ کی مددو نصرت پر اور معجزات پر کامل یقین ہواور کفار کے مساوی نہیں بلکہ اپنی مقدور بھر تیاری کے ساتھ میدان میں اُتریں، تو اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

---

[1] التوبة:۲۶،۲۴۔

وَلَنْ تُغْنِیَ عَنْکُمْ فِئَتُکُمْ شَیْئًا وَّلَوْ کَثُـرَتْ وَاَنَّ اللّٰہ مَـعَ الْمُؤْمِنِیْنَ [1]

’’(اے کـافرو!)تمہاری جمعیت ،خـواہ کتـنی ہی زیـادہ کیـوں نہ ہو تمہارے کچھ کـام نہ آسـکے گی(کیونکہ)اللہ مومنون کے ساتھ ہے‘‘۔

فضـائے بـدر پیـدا کـر کے فرشـتے تـیری نصـرت کـو

گـردوں سـے اتـر سـکتے ہیں قطـار انـدر قطـار اب بھی

امیر المومنین حضرت عمرفاروقؓنے حضرت سعدبن ابی وقـاص ؓاور ان کے لشـکر کـو عـراق کی جنـگ میں بھیجتے ہوئے ایک طویل خطبے میں ارشاد فرمایا:

’’وانما ینصر المسلمون بمعصیة عدوھم ولولا ذلک لم تکن لنا بھم قوة لان عددنا لیس کعدوھم وعدتنا لست کعدتھم‘‘[2]

’’مسلمانوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصـرت کی جاتی ہے جب کہ ان کا دشمن اللہ تعـالیٰ کی معصـیت میں مبتلا ہو ۔اگـر یہ بـات نہ ہوتی تـو ہمیں ان سے مقـابلے کی طـاقت حاصـل نہیں کہ ہماری تعداد ان کے برابر نہیں اور ہمارے پاس ان جیسا اسلحہ بھی نہیں ‘‘۔

جب جہاد ’’فـرض عین ‘‘ہوجـائے تـو اس بـارے میں شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں:

’’ضروری ہے کہ ہر شخص تن تنہا،اگرچہ ضعیف اور کم استطاعت ہو ،امام کی آواز سن کـر اپـنے

---

[1] الانفال:١٩۔

[2] اتمام الوفافی خلافة الخلفاء ص:١۶بحوالہ’’کلمة الھادی الی سواء السبیل‘‘ص:١۴۶۔

گھر سے نکلے پڑے،جس قـدر سـامانِ جنـگ میسـر ہو لشـــکرِ اســـلام میں پہنچـــادے تـــاکہ ’’قیـــام جہاد‘‘کی صـــورت پیـــدا ہو، نہ یہ (جہاد کے لـئے نکلنے والـوں پـر لعنت ملامت کـرتے ہوئے)اپـنے آپ کو عباد اللہ کے زمرے سے نکـال کـر پیٹ پـر سـت لوگوں میں داخـل ہو۔دین مـتین کے اس رکن کـو چھوڑ کر دنیاداروں کی کاسـہ لیسـی اور عورتـوں کی فرج رسائی کو اپنا پیشہ بنالے‘‘۔[1]

⋆ کلام اللہ کـو چھـوڑ کـر صـرف ایـک کتـاب کـو ہی تھامنا ....!

((ھُوَ حَبْلُ اللِّٰ الْمَتِیْنُ))[2]

’’یہ قرآن ہی اللہ کی مضبوط رسّی ہے ‘‘

((اَلْقُـــرْاٰنُ حَبْـــلُ اللِّٰ الْمَمْـــدُوْدُمِنَ السَّـــمَاءِ اِلَی الْاَرْض))[3]

’’ قرآن ہی اللہ کی وہ رسّی ہے جو آسما ن سے زمین تک تنی ہوئی ہے ‘‘

((فَاِنَّ ھٰـذَاا لْقُـرْاٰنَ طَـرَفُہٗ بِیَـدِاللّٰہِ وطَـرَفُہٗ بِاَیْـدِیْکُمْ فَتَمَسَّـکُوْبِہٖ فَـاِنَّکُمْ لَنْ تَھْلِکُـوْا وَلَنْ تَضِـلُّوْا بَعْـدَہٗ اَبَداً))[4]

’’بس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہا تھ میں ہے اور ایک سـرا تمہارے ہاتھ میں ،پس اگـر تم نے اسـے

[1] ترجمہ و تلخیص،مکاتیب سید احمد ؒ،ص:۷۶،مکتبہ سید احمد شہید،بحوالہ’’کلمۃ الھادی الی سواء السبیل‘‘ص:۲۰۰۔
[2] جامع ترمذی و دارمی۔
[3] کنز العمال ، ابن مسعود
[4] طبرانی کبیر۔

تھامے رکھا تو تم اس کے بعد نہ کبھی ہلا ک ہوگے اور نہ کبھی گمراہ ہ‘‘

((وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَااِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَداًوَهُوَ كِتَابُ اللّٰہِ))[1]

’’میں تمہا رے درمیا ن وہ چیز چھو ڑے جا رہا ہوں جس کے ساتھ اگر مضبوطی سے چمٹے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے ،وہ چیز ہے کتاب اللہ ہے ‘‘

((یَا اَهْلَ الْقُرْاٰن ِ لَا تَتَوَسَّدُوا لْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْہُ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ مِنْ اٰنَاءِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَافْشُوْہُ وَتَغَنَّوْہُ وَتَدَبَّرُوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ))[2]

’’اے قرآن والو !قرآن کو اپنی (خواہشات کا)تکیہ نہ بنا لینا بلکہ اس کی آیا ت کی صبح و شام تلاوت کرو،اس کو پھیلاؤ،اس کو اپنی آواز سے مزین کرو اور اس میں غور وفکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ۔‘‘

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کو تھامے رکھنا ہی راہ ہدایت پر چلنے کیلئے ضروری ہے ۔اس کو چھوڑ کر ہم جس چیز کوبھی اختیار کریں گے وہ ہمیں گمراہی کے اندھیرے میں پھینک دے گی ۔آئیے اب ہم ازروئے قرآن ’’ قرآن کا مقصد ِنزول ‘‘سمجھتے ہیں ۔

حضرت علی ؓکا قول ہے :

((لَا خَیْرَ فِیْ قِرَاءَۃِ الْقُرْاٰن ِ لَیْسَ فَیْهَا تَدَبَّرُ))

---

1 صحیح مسلم۔
2 رواہ البیهقی فی شعب الا یمان۔

’’اُس قرآن کریم کے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں جس میں غور فکر نہ ہو‘‘

’’آہستہ آہستہ قرآن پڑھنا اور غور کرنا جس میں قرآن اگرچہ تھوڑاپڑھا جائے اس سے بہتر ہے کہ جلدی جلدی پڑھا جائے، کیونکہ پڑھنے سے مقصودسمجھنا ہے اور غور کر نا ہے ، تاکہ اس پر عمل ہو سکے ،اور اس کا پڑھنااور یاد رکھنا اس کے معنی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔‘‘[1]

حضرت حذیفہ ؓکی روایت کردہ حدیث میں ہے :

’’جب اللہ کے رسولﷺنے اپنی وفات کے بعد اپنی امت کے اختلاف اور انتشارکی خبر دی تو وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا ،یا رسول ﷺ اگر میں اس وقت کو پاؤں تو آپ مجھ کو کیا حکم فرماتے ہیں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’ کلام اللہ کو سیکھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا کہ نجات کی صورت یہی ہے ۔‘‘وہ کہتے ہیں میں نے تین مرتبہ سوال کیاجواب میں آپ ﷺنے یہی بات ارشاد فرمائی ۔[2]

مولوی انیس احمدؒکا اقتباس سامنے رہے جو مولا نا عبید اللہ سندھیؒکے مدرسہ ’’ادارۂ نظارۃالمعارف ‘‘ کے سند یا فتہ اور فاضل ہیں اور اسیر مالٹا شیخ الہند مولانا محمود الحسن ؒکی تحریک ’’ریشمی رومال‘‘کے رفیق کار ہیں ،وہ کہتے ہیں :

’’اس (تذکر اور تدبر)کی مثال یہ ہے کہ پانی سے اس زمانے میں بھاپ حاصل کرکے مختلف کام لئے جاتے ہیں اور ریل گاڑیا ں وغیرہ چلائی جاتی ہیں ۔اس طرح پانی سے صرف وہ لوگ کام لے سکتے

[1] ابن عباس ؓ ، ابن مسعودؓ
[2] ابو داؤد ،نسائی ۔

ہیں جو سائنس سے واقف ہیں ،لیکن ہر شخص چاہے وہ کیسا ہی جاہل ہو ،پانی سے اپنی پیاس بجھا کر زندگی برقرار رکھ سکتا ہے۔ .... اسی طرح مذہبی اور روحانی زندگی کو قا ئم رکھنے لئے جس آب حیات کی ضرورت ہے۔ اس کو ہر شخص خواہ وہ جاہل ہو یا عالم ، قرآن کریم کے بحر ذخائر سے باآسانی حاصل کرسکتا ہے۔ البتہ جو شخص جتنا زیادہ عالم ہو گا وہ علم و حکمت کے اتنے ہی زیادہ موتی اس سمندر سے حاصل کرسکے گا چونکہ ہم اس خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں کہ ہم بڑے عالم نہیں اور ہم قرآن کریم کے زیادہ نکات نہیں سمجھتے ،اس لئے ہم کو قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس تباہ اوربرباد کردینے والی غلطی کی وجہ سے ہم قرآن کریم سے محروم ہوتے جارہے ہیں اور ہماری مذہبی اور روحانی حیا ت کا خاتمہ ہورہا ہے۔ ....زندگی قائم رکھنے کیلئے جس چیز کی جس قدر ضرورت ہے۔ اس کا میسر آنا بھی اللہ تعالیٰ نے اسی نسبت سے آسان کردیا ہے۔ ،ہوا اور پانی کس آسانی سے مل سکتے ہیں۔اسی طرح حیاتِ ایمانی اور روحانی زندگی کی بقاء کیلئے جس تعلیم کی ضرورت ہے۔ وہ قرآن کریم میں نہایت صاف اورروشن طریقے سے موجود ہے۔ اور ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہم یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کو تو ہم سمجھ ہی نہیں سکتے ‘‘[1]

ان حضرات کو نہ جانے کہاں سے یہ غلط فہمی ہوگئی ہے۔ کہ قرآن صرف علماء کے پڑھنے کی اور سمجھنے کی کتاب ہے۔ ، ہمارا کام تو صرف اس کی

[1] انوار القرآن از مولوی انیس ہے۔

خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کرنا ہے اور بطور ’’وظیفہ‘‘پڑھنا ہے۔ اسی کیفیت کے بارے میں

لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے ہمارے معاشرے میں لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ ہم قرآن کو بالکل نہیں سمجھ سکتے ،اس کے سمجھنے کے لئے بہت سے علوم و فنون حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے بنیادی پیغام کو سمجھنے کیلئے عالم ہو نا ضروری ہے ۔

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الأُمِّيِّينَ رَسُولا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُبِينٍ ﴾[1]

’’ وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے (محمد ﷺ کو) پیغمبربنا کربھیجا جو ان کے سامنے اس (قرآن)کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی)کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے ۔‘‘

سو جو کوئی یہ آیت سن کر کہنے لگے کہ رسول ﷺکی بات کوسوائے عالموں کے کوئی اور نہیں سمجھ سکتااور ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی اور نہیں چل سکتا ....تو اس نے(یہ کہہ کر)اس آیت کاانکار کیا ۔اس بات کی ایک مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی بہت بڑا حکیم ہو اور ایک بہت بیمار،پھر کوئی شخص اس بیمار سے کہے کہ فلا ں حکیم کے پاس جاؤاور اس سے علاج کراؤ...........اس کے جواب میں وہ بیمار کہے کہ اس حکیم سے علاج کروانا تو بڑے بڑے تنند رستوں کا کا م ہے ،مجھ سے یہ کیو نکر ہوسکتا ہے ،میں تو سخت بیما ر ہوں .پس وہ بیمار

[1] الجمعة:۲۔

احمق ہے اور ا س حکیم کی حکمت سے انکار کرتا ہے............اس لیے کہ حکیم تو بیماروں ہی کے علاج کے لئے ہے جو حکیم صرف صحت مندوں کا علاج کرے اور انہی کواس کی دوا سے فائدہ ہو اور بیماروں کو کچھ فائدہ نہ ہو تو وہ حکیم کا ہے کاہے ‘‘ [1]

’’ہمارا برتاؤاس قرآن کے ساتھ کیا ہے؟ کتنے ہیں ہم میں سے جو اس کو کتاب ہدایت سمجھتے ہیں ؟ کتنے ہیں جو کسی اردو ترجمے یا تفسیر کی روشنی میں یا درس قرآن کے کسی حلقے میں شریک ہوکر ہی اس بات کو سمجھنے کی کوشش کر تے ہیں اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لئے اپنے وقت کا کچھ حصہ صرف کرتے ہیں ....؟؟ [2]

- ’’رسول کے طریقے میں کامیابی ہے اور غیروں کے طریقے میں ناکامی ہے‘‘۔اس قول کا اصل مفہوم............!
- ’’لوگ ٹھیک ہوجائیں تو نظام خود بہ خودبدل جائے گا‘‘۔کیا ایسا ممکن ہے ....؟؟

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لااِلٰہ الا اللہ وأنّ محمداًرسول اللہ ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماء هم وأموالهم الا بحقّها وحسابهم على اللہ)) [3]

[1] تقویۃالایمان۔
[2] اقتباس از ’’اگر رسول ا اس زمانے میں ہوتے ‘‘ ماہنامہ تدریس القرآن۔
[3] صحیح البخاری،ج:۱،ص:۱۷،رقم الحدیث:۲۵۔

’’مجھے حکم دیاگیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ’’لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ‘‘کی گواہی نہ دیں،اورنمازیں قائم کریں ،زکاۃاداکریں ،جب وہ یہ کام کریں گے توان کا مال اورجان محفوظ ہے سوائے اس حق کے اور ان کاحساب اللہ پر ہے۔ ‘‘

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺدرج بالا امر ارشاد فرمانے کے بعد :

((ثم قرأ انماانت مذکر لست علیھم بمصیطر))[1]

’’پھرآپﷺنے قرآن کریم کی یہ آیات تلاوت فرمائیں﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌoلَسْتَ عَلَیْہِمْ بِمُصَیْطِرٍ ﴾’’بے شک آپ یاددہانی کرانے والے ہیں اے نبی آپ ان کے اوپر ذمہ دار نہیں ہیں‘‘۔

★ ’’اکرام مسلم‘‘کا صحیح مفہوم............!!

کیا یہ حدیث ہما رے لئے نہیں :

’’اپنے بھائی کی مدد کرو ،خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ،ایک آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! اگر وہ مظلوم ہے تومیں اس کی مدد کروں لیکن اگر وہ ظالم ہے توکیسے اس کی مدد کروں؟آپ نے فرمایا ،تم اس کوظلم سے باز رکھو،یہی اس کی مدد ہے ۔ ‘‘[2]

’’وہ شخص مسلمانوں میں سے نہیں جس کو مسلمانوں کے مسائل ومعاملات کی فکر نہ ہو۔ ‘‘[3]

---

[1] صحیح مسلم،ج:۱،ص:۵۲،رقم الحدیث:۲۱۔
[2] بخاری۔
[3] رواہ الطبرانی فی الاوسط۔

’’ہر مسلمان دوسرے مسلمان کابھائی ہے،(اس لئے)نہ تو خود اس پر زیادتی کرے،اور نہ دوسروں کا نشانہ ظلم بننے کیلئے بے یارومددگار نہیں چھوڑدے‘‘[1]

اس حوالے سے اسیر مالٹا شیخ الھند مولانا محمود الحسن ؒنے فرمایا :

’’بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہرے پر نماز کانوراورذکراللہ کی روشنی کی روشنیہ جھلک رہی ہے لیکن جب ان سے کہا جاتاہے کہ خدارا جلد اٹھو اور اس امت مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ تو ان کے دلوں خوف وہراس طاری ہوجاتا ہے ،خداکا نہیں ،بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا ، اور ان کے سامانِ حرب و ضرب کا خوف طاری ہوجاتا ہے ‘‘[2]

اس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ الہند حضرت مولا نا محمود الحسنؒ نے اپنی وفات سے ۱۲ روز قبل جمیعت علماء ہند کے دہلی میں منعقدہ اجلاس میں اپنے خطبۂ صدارت میں یہ پیغام دیا تھا کہ :

’’اسلام صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ تمام مذہبی ،تمدنی ، اخلاقیہ اور سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل اور مکمل نظام رکھتا ہے............جو لوگ موجودہ زمانہ کی کش مکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور صرف حجروں میں بیٹھے رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگیہ کے لئے کافی سمجھتے ہیں

---

[1] بخاری،مسلم۔

[2] جامعہ ملیہ اسلامیہ ،علی گڑ ھ انڈیا ۲۹اکتوبر۱۹۲۰ء،حوالہ ازکتاب ’’اسیر مالٹا ‘‘۔

وہ اسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک ''بد نما داغ '' لگاتے ہیں''[3]

[3] مولانا سید محمد ارشد مدنی ۔ روزنامہ جنگ کراچی ۱۸مئی ۲۰۰۱ء ۔